22 تکبیریں کہیں میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا یہ بوڑھا بے وقوف ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا تیری ماں تجھے روئے یہ تو ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے۔"
(بخاری کتاب الاذان باب التکبیر اذا قام من السجود)

امام ابن حجر فتح الباری ج:6،ص:178 حدیث نمبر 3060 کی شرح میں لکھتے ہیں:
"حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی مردم شماری کرنے کا حکم فرمایا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حکمِ نبوی کے مطابق مردم شماری کی گئی تو مدینہ میں لڑنے کے قابل آدمی 1500 تھے۔ ہم نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! ہم اتنی بڑی تعداد میں ہیں تو کفار سے کیوں ڈریں؟ اور مدینہ میں رہ کر مقابلہ کرنے کی بجائے میدان میں مقابلہ کریں۔ یہ جنگ اُحد کی بات ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا: "حذیفہ رضی اللہ عنہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ مسلمان لاکھوں ہوں گے مگر نمازیں چھپ کر پڑھیں گے۔"

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:
"میں نے اپنی زندگی میں ہی دیکھ لیا کہ ہم مصیبت میں پھنس گئے۔ حتیٰ کہ یہ وقت آیا ایک آدمی اکیلا نماز پڑھتا ہے اور ساتھ میں ڈرتا ہے کہ اگر حکومت کو اطلاع مل گئی تو خیر نہیں۔"

مولانا شبیر احمد عثمانی "فتح الملھم ج:1 ص:291،" اور امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
"معلوم ہوتا ہے اس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آخری دور کی طرف اشارہ ہے جب کوفہ میں گورنر ولید بن عقبہ جیسے نماز لیٹ کر کے پڑھتے تھے یا اچھے طریقہ سے نہ پڑھتے تھے۔ اس وقت نیک لوگ اپنے گھروں میں چھپ کر نماز پڑھ لیتے اور بعد میں حاکم کے خوف کی وجہ سے حاکم کے ساتھ بھی جا کر پڑھ لیتے۔"

(فتح الباری ج:6، ص:178، بخاری کتاب الجهاد والسیر باب کتابة الامام الناس)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے اس تبدیلی کے خلاف آواز اٹھائی اور جلاوطن ہوکر ربذہ میں دفن ہوگئے۔

نماز کی اسلام میں اہمیت سے ہر مسلمان واقف ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کا ایک شاگرد ابوبصیر ان کی بیوی ام حمیدہ کے پاس آیا۔ ام حمیدہ نے کہا بیٹا کاش تو اس وقت موجود ہوتا، جب امام فوت ہوئے، شاگرد نے پوچھا اس وقت امام نے کیا فرمایا تھا۔ اماں نے کہا اس وقت امام نے فرمایا تھا جس نے نماز کو معمولی کام سمجھا (جب وقت ملے گا پڑھ لیں گے) اس کو ہماری شفاعت نصیب نہ ہوگی۔

ولید بن عقبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے کوفہ کا گورنر تھا۔ ایک دن اس نے نماز میں آنے میں بہت دیر کردی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھادی۔ ولید بن عقبہ نے پیغام بھیجا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ نے تجھے کوئی حکم دیا ہے یا تو نے خود یہ بدعت نکالی۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ نہ امیر المومنین نے مجھے کوئی حکم دیا نہ میں نے بدعت نکالی مگر اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ تم اپنے کاموں میں مصروف رہو اور ہم تمہارا انتظار کرتے رہیں۔

(مسند احمد کی شرح الفتح الربانی ج:5،ص:262-263)

امام عبدالرحمٰن البناء رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

"ولید جیسا بھی تھا اس کے خیال میں اس کا نماز پڑھانے کا حق زیادہ بنتا تھا تو میں کہتا ہوں جس صحابی رضی اللہ عنہ نے (عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) خدا و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں کلمہ پڑھا۔ دین کا جھنڈا بلند کرنے کیلئے اسلام میں آیا، لوگوں میں حدیث پھیلائی، خدا کی راہ میں جہاد کیا، اور وہ صحابی جس نے فتح مکہ کے بعد قتل کے ڈر سے کلمہ پڑھا۔ وہ دونوں برابر کیسے ہوسکتے ہیں؟ اگر کہو کہ ولید گورنر تھا لہٰذا اس کا حق زیادہ تھا تو یہ اس وقت تک

ہے جب تک نماز کو نقصان نہ پہنچے۔"

زکوٰۃ میں تبدیلی

اسلامی حکومت کی پہلی ذمہ داری نماز قائم کرنا ہے جیسا کہ سورہ حج :41/22 میں فرمایا:

اور دوسرا فریضہ زکوٰۃ کا انتظام کرنا ہے یعنی خدا اور مخلوق خدا دونوں کا خیال ہر وقت ہر مسلمان کو رہے۔

اسی آیت میں مزید فرمایا:

"نیک کاموں کا حکم دینا اور برے کاموں سے منع کرنا بھی اسلامی حکومت کا فریضہ ہے اور یہی چار کام اسلامی حکومت کی پہچان ہیں۔"

مروان کے عمل دخل کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں زکوٰۃ کا جو حال ہوا وہ بھی سننے کے لائق ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لکھوائی ہوئی زکوٰۃ کے اموال و مصارف کی کتاب تھی۔ انہوں نے زکوٰۃ کے عاملوں کے بارے میں لوگوں کی شکایت سن کر اپنے بیٹے محمد بن حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ وہ کتاب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھجوائی اور کہا کہ ان سے کہو اس کے مطابق اپنے عاملین کو زکوٰۃ لینے کا حکم دیں اور زکوٰۃ کی شرح نہ بڑھائیں مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کتاب دیکھ کر لینے سے انکار کر دیا اور کہا ہم کو اس کی حاجت نہیں۔ محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ نے جا کر حضرت علی علیہ السلام کو ساری بات بتائی، انہوں نے کہا کتاب جہاں سے لی تھی وہیں رکھ دے۔ یہ حدیث بخاری **کتاب الجهاد و السير باب مَا ذكر من دِرع النبي** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم **وعصاه و سيفه وقد حه و خاتمه** میں ہے۔

اس کی شرح میں امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری: 3112، ج:6، ص:213-215 پر لکھتے ہیں:

"حضرت محمد بن حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت علی علیہ السلام کے بیٹے تھے، کے پاس کچھ لوگ بیٹھے تھے اور ایک آدمی نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہا۔ محمد بن حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا چپ رہ! لوگوں نے پوچھا کیا آپ کے والد علی علیہ السلام نے

کبھی حضرت عثمان کو گالی دی؟ انہوں نے کہا حضرت علی علیہ السلام نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو کبھی گالی نہیں دی۔ ہاں اس دن گالی دینے کا حق بنتا تھا جس دن میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی املا کروائی ہوئی کتاب زکوٰۃ لے کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تھا تو انہوں نے کہا تھا اس کو پرے لے جاؤ، مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ یہ بھی نہیں کہا مجھے ان مسائل کا علم ہے بلکہ صاف کہہ دیا مجھے اس کی ضرورت نہیں۔"

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے طریقہ حکومت میں کوئی بات تو تھی کہ 600 آدمی ان پر غالب آ گئے جبکہ مدینہ مہاجر انصار صحابہ سے بھرا پڑا تھا اور جب وفات ہوئی تو صرف چار آدمی جنازہ لے کر گئے۔ پھر ان کو بقیع میں دفن کرنے میں بھی صحابہ مزاحم ہوئے۔ 600 آدمیوں کو تو صحابہ کپڑے سے مار سکتے تھے۔ عبداللہ بن سبا کا بہانہ صرف افسانہ ہے۔ مہاجر و انصار صحابہ انکی پالیسیوں سے ناراض تھے۔

فتح الباری ج:2،ص 137-138، پر بخاری کی حدیث 650 سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس دور میں سوائے نماز کے باقی دین کا نام ونشان تک باقی نہیں رہا تھا۔

مناسکِ حج میں تبدیلی

ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں:

"میں نے عبدالرحمٰن بن یزید سے سنا وہ کہتے تھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ہم کو منیٰ میں چار رکعتیں پڑھائیں۔ لوگوں نے یہ حال عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بیان کیا انہوں نے انا للہ پڑھا اور کہا میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ منیٰ میں دو رکعتیں پڑھیں اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی دو رکعتیں پڑھیں، اور عمر بن خطاب کے ساتھ بھی دو رکعتیں پڑھیں۔ کاش (خلاف سنت) چار رکعتوں کی بجائے مجھے دو رکعتیں ملتیں جو قبول ہوتیں۔"

(بخاری ابو اب تقصیر الصلاۃ باب الصلاۃ بمنیٰ)

ابی نضرہ سے روایت ہے:

''عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مسافر کی نماز کے بارے میں سوال کیا گیا انہوں نے کہا میں نے حج کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو رکعتیں پڑھیں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حج کیا تو انہوں نے بھی دو رکعتیں پڑھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حج کیا تو انہوں نے بھی دو رکعتیں پڑھیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی عرصہ 8 سال تک دو رکعتیں پڑھیں۔''

(ترمذی ابواب السفر باب التقصیر فی السفر)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منیٰ میں دو رکعتیں پڑھیں۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بھی دو رکعتیں پڑھیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے بھی دو رکعتیں پڑھیں اور عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی شروع خلافت میں دو رکعتیں ہی پڑھیں۔''

(نسائی، کتاب تقصیر الصلوٰۃ فی السفر باب الصلوٰۃ بمنیٰ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں فوت ہوئے۔''

مزدلفہ سے لوٹتے ہوئے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا لوگو (سنت) بھول گئے یا گمراہ ہو گئے ہو! میں نے اس جگہ ان کو لبیک کہتے خود سنا ہے جن پر سورہ بقرہ نازل ہوئی۔''

(نسائی کتاب الحج باب استحباب ادامۃ الحاج التلبیہ حتیٰ یشرع فی رمی جمرۃ العقبہ یوم النحر)

آج تک علماء اس بات کا جواب تلاش نہیں کر سکے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے منیٰ میں چار رکعت کیوں شروع کیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہاں کبھی پوری نماز نہ پڑھی۔

عوام بادشاہ کے دین پر ہوتے ہیں (الناس علی دین ملوکھم) کا پورا نمونہ اس واقعہ میں ملاحظہ فرمائیں کہ ایک دفعہ دوران حج حضرت

عثمان رضی اللہ عنہ منیٰ میں بیمار ہو گئے۔ ان کی جگہ حضرت علی علیہ السلام نے کہا اگر تم چاہتے ہو تو میں تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز یعنی دو رکعت پڑھاؤں۔ لوگ کہنے لگے نہیں! ہم سوائے امیر المومنین کی نماز کے اور نماز نہیں پڑھنا چاہتے۔ حضرت علی علیہ السلام نے نماز پڑھانے سے انکار کر دیا اور واپس تشریف لے گئے۔ (المحلیٰ ابن حزم ج:3، ص:380 مسئلہ نمبر 512)

یہاں عمر رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ کی ایک مسئلہ میں صفائی دینا بھی ضروری ہے۔ حدیث کی کتابوں میں عام طور پر یہ بات ملتی ہے کہ یہ دونوں حضرات حج تمتع سے منع کرتے تھے جبکہ اس کی اجازت قرآن مجید میں موجود ہے۔ بلکہ یہاں تک روایات موجود ہیں کہ یہ دونوں حضرات حج تمتع کرنے والے کو مارتے تھے مثلاً عمر رضی اللہ عنہ سے ابو قلابہ (عبداللہ زید بن عمرو یقال عامر بن نابل بن مالك بن عبید بن علقمہ بن سعد ابو قلابہ الجرمی) روایت کرتا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کہتے تھے میں دو متعوں سے منع کرتا ہوں اور منع نہ ہونے پر مارتا ہوں، ایک متعہ النساء اور دوسرا متعۃ الحج (المحلیٰ ابن حزم ج:7، ص107، مسئلہ نمبر 833)

اہل سنت نے اس روایت کا حل کرنے کی بہت کوشش کی مگر نہ کر سکے۔ اس کا اصل حل یہ ہے کہ ابو قلابہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتا ہے مگر اس کی ملاقات ان سے ثابت نہیں۔ لہٰذا اس کی روایات مرسل اور نا قابل قبول ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حج تمتع منع کرنے کی روایت ابو قلابہ کرتا ہے جس کی ملاقات حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں ہے۔ لہٰذا ایسی روایات مرسل اور نا قابل قبول ہیں۔

(تہذیب التہذیب ابن حجر ج:5، ص224-226)

مندرجہ بالا روایت کے ساتھ المحلیٰ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق روایت ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کی حج تمتع یعنی حج وعمرہ کا لبیک پکارتے سنا تو اس کو مارا اور اس کا سر منڈا دیا۔ اس روایت میں ایک راوی عبد العزیز بن عبیہ مجہول ہے۔

(الجرح و التعدیل ج:5، ص398)

اس کا باپ عبیہہ بن وہب مقبول ہے یعنی اس کے ساتھ کوئی اور راوی روایت کرے تو عبیہہ کی روایت قبول کی جائے گی ورنہ نہیں۔

(الجرح والتعدیل ج:8ص :491، امام ابی محمد عبدالرحمن بن ابی حاتم محمد بن ادریس بن المنذر الرازی)

حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ نے حج تمتع سے منع نہیں کیا تھا بلکہ کہا تھا کہ حج افراد بہتر ہے۔ یعنی ایک دفعہ حج کرے اور عمرہ کیلئے دوبارہ آئے۔ اب بھی ساری امت کا یہی خیال ہے۔ یہ وضاحت حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک شامی کے سوال کے جواب میں فرمائی۔ مسند احمد میں روایت ہے کہ سالم کہتے ہیں:

''حج تمتع کے سلسلہ میں حضرت ابن عمرؓ وہی رخصت دیتے تھے جو اللہ نے قرآن میں نازل کی ہے اور نبی ﷺ کی سنت سے ثابت ہے کچھ لوگ ان سے کہتے آپ کے والد تو اس سے منع کرتے تھے۔ آپ اپنے والد کی مخالفت کیوں کرتے ہیں۔ وہ انہیں جواب دیتے تمہاری بربادی ہو، کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے۔ بالفرض حضرت عمرؓ نے روکا تو اس میں خیر ان کے پیش نظر تھی کہ لوگ عمرہ الگ سے کریں۔ جب اللہ نے اسے حلال قرار دیا ہے اور نبی ﷺ نے اس پر عمل کیا ہے تو تم اس کو خود پر حرام کیوں کرتے ہو۔ کیا نبی ﷺ کی سنت کی پیروی بہتر ہے یا حضرت عمرؓ کی۔ حضرت عمرؓ نے تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا حرام ہے بلکہ انہوں نے صرف یہ کہا تھا کہ عمرہ کا اتمام یہ ہے کہ تم حج کے مہینوں کے علاوہ کسی اور مہینے میں الگ سے عمرہ کیلئے آؤ۔

(مسند احمد روایت 5700، قال الالبانی صحیح الاسناد)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

''حضرت عمرؓ وعثمانؓ کا موقف یہ تھا کہ حج افراد افضل ہے، اور ان کی

نہی تحریمی نہیں بلکہ تنزیہی تھی۔" (الفتح الربانی ج:11،ص:164)

حقیقت یہ ہے کہ جس نے سب سے پہلے حج تمتع سے منع کیا وہ معاویہ ہیں۔

(الفتح الربانی ج:11، ص:158 از عبدالرحمن البناء المصری اور ترمذی کتاب الحج باب ماجاء فی التمتع)

ناپسندیدہ اعمال

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

"ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے رات کو خواب دیکھا ہے کہ ایک بادل کا ٹکڑا ہے۔ اس میں سے گھی اور شہد ٹپک رہا ہے جسے لوگ اپنے ہاتھوں میں لے رہے ہیں۔ کسی نے بہت لیا اور کسی نے کم، اتنے میں ایک رسی نمودار ہوئی جو آسمان سے زمین تک لٹکی ہوئی ہے۔ پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آئے اور اس رسی کو تھام کر اوپر چڑھ گئے۔ پھر ایک دوسرے شخص نے رسی تھامی، وہ بھی اوپر چڑھ گیا۔ پھر ایک تیسرے شخص نے رسی تھامی وہ بھی اوپر چڑھ گیا۔ پھر ایک چوتھے شخص نے رسی تھامی تو وہ ٹوٹ کر گر پڑی لیکن پھر جڑ گئی۔ یہ سن کر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! خدا کی قسم اس کی تعبیر مجھے کہنے دیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اچھا کہو، انہوں نے کہا بادل کا ٹکڑا تو دین اسلام ہے اور شہد اور گھی جو ٹپکتا ہے وہ قرآن اور اس کی شیرینی ہے، کوئی شخص قرآن زیادہ سیکھتا ہے اور کوئی کم۔ جو رسی آسمان سے زمین تک لٹکتی ہے وہ حق کا رستہ ہے جس پر آپ ہیں اور آپ اسی پر قائم رہیں گے یہاں تک کہ اللہ آپ کو اٹھالے گا۔ پھر آپ کے بعد ایک شخص اس کو پکڑ لے گا اور وہ بھی مرنے تک اس پر قائم رہے گا، پھر ایک اور شخص سے ہے تو اس کا بھی یہی حال ہوگا۔ پھر ایک اور شخص لے گا تو اس کا معاملہ کٹ

جائے گا اور پھر جڑ جائے گا اور وہ بھی اوپر چڑھ جائے گا۔ یارسول اللہ ﷺ! بتایئے میں نے صحیح تعبیر بتائی یا غلط کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو نے کچھ صحیح بتایا اور کچھ غلط۔ وہ کہنے لگے خدا کی قسم بتایئے میں نے کہاں غلطی کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا قسم مت کھا!

(بخاری کتاب التعبیر باب من لم یر الرویا الاوّل عابر اذالم یصب) ترمذی ابواب الرویا باب ماجا فی رویا النبی ﷺ فی المیزان والدلو)

علامہ وحید الزمان رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

''اس خواب کی تفصیل بیان کرنے میں بڑے بڑے اندیشے تھے۔ اس لیے آپ ﷺ نے سکوت فرمانا مناسب سمجھا۔ دوسری روایت میں اتنا زیادہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ، کے چہرہ مبارک پر ناراضگی کے آثار پائے کیونکہ اس خواب سے آپ کو رنج ہوا۔

مولانا شمس الحق عظیم آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے ابوداؤد کی شرح عون المعبود ج:4، ص:338-339، پر فتح الباری کے حوالہ سے لکھا:

''کہ رسّہ اس لیے ٹوٹا کہ عثمان رضی اللہ عنہ سے کچھ ناپسندہ کام ہوئے جن سے امت ناراض ہوگئی اور قریب تھا کہ وہ اپنے ساتھیوں سے نہ ملتے۔ ان کے جو کام غلط سمجھے گئے ان کی بنا پر رسہ ٹوٹ گیا۔ وہ پہلے خلفاء کا راستہ چھوڑ بیٹھے۔ پھر رسّہ کا جڑنا اس لیے نصیب ہوگیا کہ ان پر مصائب آئے اور وہ شہید کردیئے گئے۔'' (فتح الباری ج:12، ص:431-435، عون المعبود حوالہ مذکورہ)

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے کہا تم کیوں (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) سے بات نہیں کرتے اسامہ رضی اللہ عنہ نے کہا کیا تم سمجھتے ہو میں ان سے بات نہیں کرتا؟ صرف یہ کہ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہونا چاہتا جو فتنہ کا دروازہ کھولنا چاہتے ہیں۔

(بخاری کتاب الفتن التی تموج کالموج البحر۔ فتح الباری ج:13، ص 48، حدیث نمبر 7098)

امام ابن حجر ج: 13، ص: 52 پر لکھتے ہیں کہ امام کرمانی نے بخاری کی شرح میں لکھا "یہ جو کہا کہ تم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بات کیوں نہیں کرتے تو یہ ان چیزوں کے بارے میں تھا جو لوگوں نے عثمان رضی اللہ عنہ میں غلط سمجھیں یعنی رشتہ داروں کو حاکم مقرر کرنا اور دوسری مشہور باتیں اس میں شامل ہیں۔"

مصائب بھی ان دس چیزوں میں سے ہیں جو گناہوں کا کفارہ بنتے ہیں۔ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے وہ دس باتیں آیات واحادیث کی رو سے ایک جگہ پر جمع کردی ہیں۔ (منہاج السنہ ج:3، ص109-177 تا ص 179، فتاویٰ ابن تیمیہ ج:35، ص:179 تا186) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان مصائب کی وجہ سے اپنے ساتھیوں سے جاملے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی جلاوطنی

حضرت عبداللہ بن رضی اللہ عنہ عمرو بن عاص سے مروی ہے: "میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے: "زمین اور آسمان کے سائے تلے ابوذر رضی اللہ عنہ سے زیادہ سچا آدمی کوئی نہیں"
(مسند احمد روایت نمبر 6519، صحیح البانی)

زید بن وہب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

"میں نے ربذہ (مدینہ کے قریب ایک جگہ) میں ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو پایا میں نے ان سے پوچھا تم یہاں جنگل میں کیوں آپڑے؟ انہوں نے کہا ہم ملک شام میں تھے (مجھ میں اور معاویہ میں جھگڑا ہوگیا) میں نے یہ آیت پڑھی جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو دردناک عذاب کی خبر دے دو (سورہ توبہ: 934/9) تو معاویہ نے کہا یہ آیت میرے حق میں نہیں بلکہ اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی

ہے۔ میں نے کہا یہ ہمارے اور اہل کتاب دونوں کے بارے میں ہے۔"

(بخاری کتاب التفسیر ،تفسیر سورہ توبہ (براءت)باب والذین یکنزون الذھب والفضہ)

دوسری جگہ زید بن وہب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

"میں ربذہ سے گزرا، وہاں مجھے ابوذر رضی اللہ عنہ ملے۔ میں نے کہا تم آپ اس جگہ کیوں رہنے لگے۔ انہوں نے کہا میں شام کے ملک میں تھا۔ وہاں مجھ میں اور معاویہ میں (سورہ توبہ: 34/9)"جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں") کے بارے میں اختلاف ہوگیا۔ معاویہؓ کہنے لگے یہ اہل کتاب کے بارے میں اتری ہے۔ میں نے کہا یہ ہم مسلمانوں اور اہل کتاب کے بارے میں اتری ہے۔ پھر مجھ میں اور امیر معاویہ میں اس بارے میں جھگڑا ہوگیا۔ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خط لکھ کر میری شکایت کی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مجھے لکھا تم مدینہ آؤ۔ میں مدینہ آیا تو اتنے بہت سے لوگ میرے پاس جمع ہونے لگے جیسے انہوں نے مجھے اس سے پہلے دیکھا ہی نہ ہو۔ میں نے عثمان رضی اللہ عنہ سے اس کا ذکر کیا۔ انہوں نے کہا تم چاہو تو الگ ایک گوشہ میں مدینہ سے قریب رہو۔ میں اس وجہ سے یہاں رہ رہا ہوں اور اب اگر مجھ پر حبشی سردار بھی ہو تو میں اس کی بات سنوں گا اور مانوں گا۔"

(بخاری کتاب الزکوٰۃ باب ما اُدّی زکوٰۃ فلیس بکنز)

احنف بن قیس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

"قریش کے لوگوں کی ایک جماعت میں بیٹھا ہوا تھا۔ اتنے میں ایک شخص آیا جس کے بال سخت، کپڑے موٹے، شکل سادہ، وہ ان کے پاس آ کھڑا ہوا اور سلام کیا پھر کہنے لگا جو لوگ مال جمع کرتے ہیں ان کو خوشخبری سنا دو۔ ایک پتھر دوزخ کی آگ میں گرم کیا جائے گا۔ اور ان کی چھاتی پر رکھ دیا

جائے گا اوران کے کندھے والی ہڈی سے باہر جائے گا۔ ان کے کندھے والی ہڈی پر کھا جائے گا تو چھاتی سے پار ہو جائے گا۔ اسی طرح پتھر ڈھلکتا رہے گا۔ یہ کہہ کر اس نے پیٹھ موڑی اور ایک ستون کے پاس جا بیٹھا میں اس کے پیچھے چلا اوراس کے پاس جا بیٹھا مجھے معلوم نہ تھا وہ شخص کون ہے؟ میں نے اس سے کہا میرا خیال ہے تمہاری اس بات سے لوگ ناراض ہوئے ہیں۔ اس نے کہا وہ تو بے وقوف لوگ ہیں مجھ سے میرے خلیل علیہ السلام نے کہا۔ میں نے پوچھا کون خلیل؟ کہا نبی علیہ السلام اور کون؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے ابوذر رضی اللہ عنہ! کیا تو اُحد پہاڑ دیکھتا ہے؟ یہ سن کر میں نے سورج کی طرف دیکھا کہ دن کتنا باقی ہے۔ میں سمجھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے کسی کام سے بھیجنا چاہتے ہیں۔ میں نے عرض کی جی ہاں! فرمایا: میں چاہتا ہوں کہ میرے پاس اُحد پہاڑ کے برابر بھی سونا اگر ہو تو میں سب اللہ کی راہ میں خرچ کر ڈالوں صرف تین اشرفیاں رکھ لوں۔ یہ لوگ تو بے وقوف لوگ ہیں دنیا کا مال اکٹھا کرتے ہیں اور میں تو خدا کی قسم نہ ان سے دنیا کا سوال کروں گا نہ دین کی بات پوچھوں گا یہاں تک کہ اللہ سے مل جاؤں۔

(بخاری کتاب الزکاۃ باب ایضاً مسلم کتاب الزکاۃ باب تغلیظ عقوبۃ من لایودی الزکوٰۃ)

جب عراق و شام فتح ہوئے، زرخیز علاقے ہاتھ آئے، وہاں لوگوں کا معیار زندگی دیکھا تو صحابہ نے بھی اعلیٰ عمارتیں بنانا شروع کردیں۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ یہ صورت حال برداشت نہ کر سکے۔ انہوں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا جب مدینہ سلع پہاڑ تک وسیع ہو جائے تو تم شہر چھوڑ دینا۔ یہاں دین بہت تھوڑا رہ جائے گا۔ وہ شام چلے گئے۔ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دور تھا۔ شام میں دیکھا کہ حاکم محلات میں رہتا ہے۔ وہاں انہوں نے اعتراض کیا کہ حاکم سونا چاندی جمع کر رہا ہے اور غریب بھوکے مر رہے ہیں۔ اس پر حاکم (امیر

معاویہ) نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شکایت کی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو خط لکھا کہ تم حکومت کے خلاف پراپیگنڈہ کرتے ہو۔ معاویہ نے مجھے لکھا ہے اگر شام چاہتے تو ابوذر رضی اللہ عنہ کو واپس بلائیں، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا میں حکومت کے خلاف نہیں ہوں بلکہ سونے چاندی کے ڈھیر اکٹھے کرنے کے خلاف ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مجھے فرمایا تھا اگر اُحد پہاڑ بھی سونے کا ہو تو شام سے پہلے خیرات کر دینا۔ پھر ان سے کہا گیا مدینہ چھوڑ دیں۔ ان کو ربذہ کے علاقہ میں جلاوطن کر دیا گیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو جاگیریں دیں جن میں سے اشرافیہ پیدا ہو گئے۔ اس پر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے اعتراض کیا۔

(مسلم کی شرح اکمال اکمال المعلم ج 1، ص 134 علامہ اُبیّ مالکی)

خاندان نوازی

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے پورے عہد میں حضرت علی علیہ السلام کے سوا نبی ہاشم میں سے کسی کو کوئی عہدہ نہ دیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں اپنے قبیلے اور خاندان کے کسی شخص کو سرے سے کسی منصب پر مامور نہ کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دس سالہ دورِ خلافت میں بنی عدی کے صرف ایک شخص کو ایک چھوٹے سے عہدے پر مقرر کیا اور بہت جلد سبک دوش کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خوف تھا کہ اگر یہ پالیسی بدل دی گئی جو سخت فتنے کا باعث ہو گی۔ اس لیے انہوں نے اپنے تینوں متوقع جانشینوں کو بلا کر ہر ایک سے کہا اگر میرے بعد تم خلیفہ ہو تو اپنے قبیلے کے لوگوں کو عوام کی گردنوں پر مسلط نہ کر دینا۔

(طبری ج:3، ص:264 طبقات ابن سعد ج:3، ص:340 تا 344)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شوریٰ کو بھی یہ ہدایت کی تھی کہ منتخب خلیفہ اپنے قبیلے کے ساتھ امتیازی برتاؤ نہ کرے۔ (فتح الباری ج:7، ص:49-50)

مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ رفتہ رفتہ اس پالیسی سے ہٹتے چلے گئے۔ انہوں نے

بنوامیہ کو کثرت سے بڑے بڑے عہدے دیئے اور بیت المال سے عطیے دیئے اور دوسرے قبیلے اسے تلخی کے ساتھ محسوس کرنے لگے۔

(طبقات ابن سعد ج:3،ص:64 ج:5،ص:36)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ صلہ رحمی کا تقاضا تھا۔ (طبری ج:3،ص:291)

مثال کے طور پر انہوں نے افریقہ کے مال غنیمت کا پورا خمس (5لاکھ دینار) مروان بن حکم کو بخش دیا۔

(امام ابن اثیر الکامل فی التاریخ ج:3،ص:46)(طبقات ابن سعد ج:3،ص:64)

مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''یہ یادرکھنا چاہیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیت المال کے بارہ میں کفایت شعاری برتی وہ خلافت فاروقی کی کامیابی کا بہت بڑا سبب تھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں لوگوں نے اخیر میں جو شورشیں کیں اس کی بڑی وجہ یہ ہوئی کہ جناب موصوف نے بیت المال کے متعلق یا فیاضانہ برتاؤ کیا یعنی اپنے عزیز و اقارب کو ذوالقربی کی بنا پر بڑی بڑی رقمیں عطا کیں۔''

(الفاروق ص295)

شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ ''خدام الدین'' میں لکھتے ہیں:

''زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے 12 سال خلافت کی۔ چھ سال تک کسی کو کوئی شکایت آپ سے پیدا نہ ہوئی بلکہ آپ کو قریش حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نسبت بھی اچھا سمجھتے تھے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مزاج میں شدت زیادہ تھی لیکن پھر آپ نے بہت نرمی برتی اور اپنے اعزہ و اقربا کو عامل بنانا شروع کیا اور مروان کو ملک افریقہ کا خمس معاف کر دیا اور اپنے اقربا کو بہت سا سامان دے ڈالا اور اس کی تاویل میں فرمایا گو حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہم نے ایسا نہیں کیا مگر میں حکم خدا کے موافق صلہ رحم کرتا ہوں، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں میں آپ کے خلاف شورش پیدا ہوگئی۔''

(بحوالہ ابن سعد رسالہ خدام الدین لاہور 19 جولائی 1957ء)

''عثمان رضی اللہ عنہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسی انتظامی قابلیت نہ تھی اور انہوں نے اپنے رشتہ داروں کو عہدے دیئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے رشتہ داروں کو ایک پائی تک نہ دی نہ کوئی عہدہ دیا حالانکہ بنی عدی میں بڑے قابل لوگ تھے مگر عثمان رضی اللہ عنہ میں ان جیسا زہد نہ تھا۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے رشتہ داروں کو نفاز نے کا جو اجتہاد کیا وہ غلط اجتہاد تھا۔ انہوں نے اپنے رشتہ داروں کو جو کچھ دیا وہ دوسروں کو نہ دیا۔ (منہاج السنۃ ج:4،ص:204)

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں:

''سرکاری مال رشتہ داروں کو دینا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا رشتہ داروں سے نیک سلوک نہیں تھا۔'' (فتاویٰ ابن تیمیہؒ ج:35،ص:23)

امام ابن حجر ''الاصابہ'' میں لکھتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے افریقہ سے آنے والا پانچ لاکھ دینار کا خمس مروان کو دے دیا۔ (الاصابہ ج:4،ص:223-224)

جمعہ کی دوسری اذان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے شروع کرائی۔

(نسائی کتاب الجمعہ باب الاذان للجمعہ)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گورنر

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: کہ انہوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں فرمایا کعبہ کے رب کی قسم! یہ گورنر تباہ ہو جائیں۔ انہوں نے دین برباد کر دیا ہے۔ (نسائی)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ والی پالیسی چھوڑ کر اپنے رشتہ داروں کو بڑے بڑے عہدے دیئے اور ان کے ساتھ دوسری ایسی رعایات کیں جو عام طور پر لوگوں میں ہدف تنقید بن کر رہیں۔ انہوں نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے کوفے کا گورنر اپنے ماں جائے بھائی ولید بن عقبہ بن ابی معیط کو مقرر کیا اور اس کے بعد یہ منصب اپنے ایک اور عزیز سعید بن عاص کو دو دیا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے اپنے

ماموں زاد بھائی عبداللہ بن عامر کو بصرے کا گورنر مقرر کیا۔ عمرو بن عاص کو ہٹا کر اپنے رضاعی بھائی عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو مقرر کیا۔ امیر معاویہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں صرف دمشق کے گورنر تھے۔ حضرت عثمانؓ نے ان کو دمشق ے ساتھ ساتھ حمص، فلسطین، اردن اور لبنان کا پورا علاقہ بھی دے دیا۔ (امام ابن کثیر البدایہ والنہایہ ج:8،ص:124)

پھر اپنے چچازاد بھائی مروان بن الحکم کو چیف سیکرٹری بنا دیا۔ جس کی وجہ سے سلطنت کے تمام معاملات میں اس کا اثر قائم ہو گیا۔ اس طرح عملاً ایک ہی خاندان کے ہاتھ میں سارے اختیارات جمع ہو گئے۔

ان باتوں کا ردعمل صرف عوام پر ہی نہیں اکابر صحابہ تک پر اچھا نہ تھا اور نہ ہو سکتا تھا۔ مثال کے طور پر جب ولید بن عقبہ کوفے کی گورنری کا پروانہ لے کر حضرت سعد بن ابی وقاص کے پاس پہنچا تو انہوں نے فرمایا: ''معلوم نہیں ہمارے بعد تو زیادہ دانا ہو گیا ہے یا ہم تیرے بعد احمق ہو گئے۔''

ولید بن عقبہ نے جواب دیا: ''ابو اسحاق ناراض نہ ہو، یہ تو بادشاہی ہے، صبح کوئی اس کے مزے لوٹتا ہے اور شام کو کوئی اور''

حضرت سعدؓ نے کہا: ''میں سمجھتا ہوں واقعی تم لوگ اسے بادشاہی بنا کر چھوڑ و گے۔'' تقریباً اسی طرح کے خیالات حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے تھے۔

(امام ابن عبدالبر الاستیعاب ج:2،ص:604)

ستم بالائے ستم یہ کہ ایسے لوگ تقریباً سب کے سب طلقاء تھے جن کو فتح مکہ کے دن معافی ملی تھی۔ ان گورنر حضرات میں سے چند کا تعارف پیش خدمت ہے جبکہ امیر معاویہؓ کے بارے میں علیحدہ باب میں بات ہو گی۔

ولید بن عقبہ بن ابی معیط

یہ شخص فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوا۔ اس کا باپ عقبہ بن ابی معیط چوٹی کے دشمنان اسلام میں سے تھا اور جنگ بدر کے موقع پر قتل ہوا۔ مسلمانوں ہونے کے بعد اس کو

حضور ﷺ نے بنی مطلق قبیلہ سے زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے بھجوایا۔ یہ راستے سے واپس آ گیا اور جھوٹ بولا کہ قبیلے نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا ہے بلکہ مجھ کو بھی قتل کرنے لگے تھے۔ حضور ﷺ اس قبیلہ پر بہت ناراض ہوئے اور لشکر کشی کا حکم دے دیا۔ اس قبیلہ کی خوش قسمتی کہ ان کا سردار حارث اپنے ساتھ چند آدمیوں کو لے کر حضور ﷺ کی ملاقات کیلئے چل پڑا کہ اتنے دن گزر گئے کوئی زکوٰۃ لینے کیلئے کیوں نہیں آیا۔ راستے میں لشکر سے ملاقات ہوئی۔ معاملے کا پتہ چلا تو حارث نے کہا خدا گواہ ہے، ہم نے تو ولید بن عقبہ کی شکل تک نہیں دیکھی۔

اس موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے سورہ حجرات :49/6-7 نازل فرمائیں میں ہدایت کی گئی کہ جب کوئی فاسق تمہارے پاس خبر لے کر آئے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو، ایسا نہ ہو کہ اس کے کہنے پر کسی قوم پر حملہ کر دو اور بعد میں پچھتانا پڑے۔ اس طرح ولید بن عقبہ نصِ قرآن سے فاسق ہے۔

(امام البانی سلسلہ الاحادیث الصحیحہ ج:7، جز نمبر 1 حدیث نمبر 3088، ص 230 تا 235، تفسیر ابن کثیر زیر آیت نمبر 6، مسند احمد، حدیث نمبر 18650، امام ابن عبد البر ؒ، الاستیعاب ج:2، ص:603، امام ابن تیمیہ منہاج السنہ ج:3، ص:176)

اس ولید بن عقبہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عشرہ مبشرہ میں سے ایک صحابی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی جگہ کوفہ کا گورنر مقرر کر دیا۔

(سیر اعلام النبلاء امام ذھبی ج:3، ص:415)

جب یہ کوفہ کا گورنر بنا تو بعد میں یہ راز فاش ہوا کہ وہ شراب پیتا ہے۔ حتیٰ کہ ایک دن اس نے فجر کی نماز چار رکعت پڑھائی پھر پلٹ کر لوگوں سے پوچھا ''اور پڑھاؤں''، یعنی شرابی بھی اور بوقت فجر!

(البدایہ والنہایہ امام ابن کثیر ج:7، ص 155، الاستیعاب امام ابن عبد البر ج:2، ص:604، آپ لکھتے ہیں کہ یہ واقعہ مشہور من روایۃ الثقات من نقل اھل الحدیث والا خبار)

اس واقعہ کی شکایات مدینہ تک پہنچیں اور لوگوں میں اس کا عام چرچا ہونے لگا۔

بخاری کتاب المناقب باب ہجرۃ الحبشہ میں عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ مجھے عبید اللہ بن عدی بن خیار (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بھانجے) نے خبر دی کہ مسور بن مخرمہ اور عبدالرحمٰن بن اسود بن عبد یغوث، دونوں نے انہیں کہا تم اپنے ماموں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ان کے بھائی ولید بن عقبہ کے بارے میں کیوں بات نہیں کرتے؟ جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ولید بن عقبہ کے ساتھ نرم سلوک کیا تھا لوگوں کو اس پر بہت اعتراض تھے۔ عبید اللہ کہتے ہیں میں راستے میں کھڑا تھا۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نماز کیلئے نکلے میں نے کہا مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے اور اس بات میں آپ کی خیر خواہی ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا اے شخص میں تجھ سے خدا کی پناہ چاہتا ہوں (اس طرح بات سننے سے انکار کر دیا) یہ سن کر میں واپس ان دونوں کے پاس آ گیا۔ اتنے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے بلانے والا آ گیا۔ میں گیا تو انہوں نے پوچھا وہ خیر خواہی کی بات کیا ہے۔ میں نے کہا اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سچا نبی بنا کر بھیجا اور ان پر کتاب نازل کی، آپ ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کہا مانا اور آپ نے دو ہجرتیں کیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت میں رہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقہ کو دیکھا۔ بات یہ ہے کہ لوگ ولید بن عقبہ کی بہت شکایت کرتے ہیں۔ انہوں نے پوچھا (عبید اللہ) کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہے؟ میں نے کہا نہیں مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کی باتیں مجھ کو بھی پہنچیں جو ایک کنواری عورت کو پردے میں پہنچیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سچا نبی بنا کر بھیجا۔ میں بھی ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کہا مانا اور اس پر ایمان لایا جو وہ لے کر آئے اور میں نے دو ہجرتیں کیں۔ جیسے کہ تو کہتا ہے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت میں رہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت کی پھر خدا کی قسم میں نے نہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کی نہ دغابازی کی یہاں تک کہ اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اٹھا لیا۔ پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ سے بھی میری صحبت ایسی ہی رہی، پھر عمر رضی اللہ عنہ سے بھی میری صحبت ایسی ہی رہی۔ پھر میں خلیفہ ہو گیا۔ کیا ان کا جو حق (اطاعت) مسلمانوں پر تھا، میرا بھی حق وہی بنتا ہے؟ میں نے کہا ہاں! انہوں نے کہا پھر یہ کیا باتیں ہیں جو تمہاری طرف

سے مجھ کو پہنچائی جا رہی ہیں۔ البتہ ولید کی حرکتوں کی جو تو نے شکایت کی ہے اس کی واجب سزا ہم اسے دیں گے ان شاء اللہ!

پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت علی علیہ السلام کو بلایا اور کہا ولید کو کوڑے لگائے پھر 40 کوڑے لگائے گئے۔ (امام ابن حجر فتح الباری ج :7، ص 53، حدیث نمبر 3696، بخاری کتاب المناقب باب مناقب عثمان رضی اللہ عنہ)

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر اعتراض کرنے والے افسانوی سبائی نہیں بلکہ صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمۃ اللہ علیہم تھے۔ امام ابن حجر لکھتے ہیں کہ لوگ جس وجہ سے ولید کے معاملہ میں کثرت سے اعتراضات کر رہے تھے وہ یہ تھی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس پر حد قائم نہیں کرتے تھے اور دوسری وجہ یہ تھی کہ سعد بن ابی وقاص کو معزول کر کے ان کی جگہ ولید کو مقرر کرنا لوگوں کو ناپسند تھا کیونکہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ اور اہل شوریٰ میں سے تھے اور ان کے اندر علم و فضل اور دینداری اور سبقت الی الاسلام کی وہ صفات مجتمع تھیں جن میں سے کوئی چیز بھی ولید بن عقبہ میں نہ تھی۔ (فتح الباری کتاب المناقب، مناقب عثمان رضی اللہ عنہ)

علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ''عمدة القاری'' کتاب مناقب عثمانؓ میں ایسا ہی لکھا۔

مسلم کتاب الحدود باب حد الخمر کی شرح میں امام نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ مسلم کی یہ حدیث امام مالک اور ان کے ہم خیال فقہا کے اس مسلک کی دلیل ہے کہ جو شخص شراب کی قے کرے اس پر شراب نوشی کی حد جاری کی جائے گی۔ امام مالک کی دلیل اس معاملہ میں بہت مضبوط ہے کیونکہ صحابہ نے بالاتفاق ولید بن عقبہ کو کوڑے لگانے کا فیصلہ کیا تھا۔

(مسلم مع شرح نووی ج:2، ص 72، کتاب الحدود باب حد الخمر)

امام ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

''مسلم کی روایت کے مطابق جب ایک گواہ نے یہ شہادت دی کہ اس نے ولید کو شراب کی قے کرتے دیکھا ہے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا وہ شراب

پیے بغیر اس کی قے کیسے کرسکتا ہے۔اس بنا پر انہوں نے حضرت علی علیہ السلام کو حد جاری کرنے کا حکم دیا اور یہ فیصلہ چونکہ علماء صحابہ رضی اللہ عنہم اور اکابر صحابہ کی موجودگی میں ہوا تھا اس لیے اس پر اجماع ہے۔''

(المغنی والشرح الکبیر ج:10،ص:332)

مسلم کی روایت کے ایک راوی عبداللہ الداناج رحمۃ اللہ علیہ کی بنا پر امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو کمزور قرار دیا جبکہ امام ابن حجر نے امام بیہقی، امام ترمذی اور امام بخاری کے حوالہ سے اسے قوی قرار دیا ہے۔امام ابن عبدالبر نے کہا کہ اس راوی کو ابوزرعہ اور نسائی نے ثقہ قرار دیا۔(فتح الباری کتاب الحدود باب الضرب بالجرید والنعال)

امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے تہذیب التہذیب ج:11،ص:143-144) پر بھی ولید بن عقبہ کے شراب پینے کی تصریح کی ہے۔

ابو ساسان حصین بن منذر نے کہا کہ میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھا۔ ولید بن عقبہ کو لایا گیا۔ اس نے صبح کی نماز کی 4 رکعتیں پڑھی تھیں اور کہا اور پڑھاؤں، تو دو آدمیوں نے ولید پر گواہی دی۔ایک تو حمران نے کہا کہ ولید نے شراب پی ہے اور دوسرے نے گواہی دی کہ ولید میرے سامنے شراب کی قے کر رہا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا اگر اس نے شراب نہ پی ہوتی تو شراب کی قے کیوں کرتا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا اٹھیں اور اس کو کوڑے ماریں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے فرمایا اے حسن اٹھو اور اس کو کوڑے مارو۔تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے کہا جس نے ٹھنڈا چکھا ہے وہی گرم بھی چکھے۔ حسن علیہ السلام، عثمان رضی اللہ عنہ سے ناراض تھے اور فرمایا اے عبداللہ بن جعفر اٹھو اور اسے کوڑے مارو، وہ اٹھے اور کوڑے لگائے اور علی علیہ السلام گنتے جاتے تھے۔ جب چالیس کوڑے ہوگئے تو فرمایا رک جا! پھر فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے 40 کوڑے مارے، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی چالیس اور عمر نے 80 کوڑے لگائے، یہ تمام سنت ہیں اور مجھے چالیس پسند ہیں۔(مسلم کتاب الحدود باب حد خمر)

عبداللہ بن سعد بن ابی سرح

یہ شخص کاتب وحی تھا۔ یہ مسلمان ہونے کے بعد مرتد ہو گیا تھا۔ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا رضاعی بھائی تھا۔ فتح مکہ کے موقع پر جن لوگوں کے بارے میں حکم دیا گیا تھا کہ وہ اگر کعبہ کے پردوں سے بھی لپٹے ہوئے ہوں تو انہیں قتل کر دیا جائے، یہ ان میں سے ایک تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اسے لے کر اچانک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پیش ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محض ان کی وجہ سے اس کو معاف کر دیا تھا۔ لوگوں کو یہ بات پسند نہ آ سکی تھی کہ اولین مسلمان پیچھے ہٹا دیئے جائیں اور اس جیسے لوگ امت کے حاکم بن جائیں۔ جب یہ شخص مرتد ہو کر مکہ واپس چلا گیا تو اس نے اپنے کاتب وحی ہونے کا حوالہ دیکر نبوت اور قرآن کے متعلق بہت غلط فہمیاں پھیلائیں۔ یہی وجہ تھی کہ اس کے قتل کا حکم دیا گیا، اس کے مرتد ہونے اور بعد میں معافی کا واقعہ (ابو داؤد باب الحکم فی من ارتد، نسائی باب الحکم فی المرتد، مستدرك حاکم کتاب المغازی، طبقات ابن سعد ج:2، ص:136-141، سیرت ابن هشام، امام ابن عبدالبر الاستیعاب ج:1، ص:381 اور امام ابن حجر کی الاصابہ ج:2، ص:309) میں بیان ہوا ہے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

"جس دن مکہ فتح ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب لوگوں کو امن دیا مگر چار مردوں اور دو عورتوں کو نہیں دیا۔ ان کے متعلق فرمایا کہ وہ جہاں ملیں ان کو قتل کر دو اگر چہ کعبے کے پردوں کے سے لٹکے ہوئے ہو۔ وہ چار مرد یہ تھے۔ عکرمہ بن ابو جہل، عبداللہ بن اخطل، مُقیس بن صبابہ اور عبداللہ بن ابی سرح۔ عبداللہ بن اخطل کعبہ کے پردوں سے لٹکا ہوا تھا۔ اس کو قتل کرنے کے لئے دو آدمی لپکے ایک سعید بن حرث رضی اللہ عنہ اور دوسرے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ،

لیکن سعید جوان تھے عمار سے، انہوں نے اس کو آگے بڑھ کر قتل کر دیا اور مقیس بن صبابہ بازار میں ملا، لوگوں نے اس کو مار ڈالا۔ اور عکرمہ بن ابی جہل سمندر میں سوار ہو گیا وہاں طوفان میں پھنسا۔ کشتی والوں نے کہا اب خدا سے خالص کر کے دعا کرو یقیناً تمہارے الہ (بت وغیرہ) یہاں کچھ نہیں کر سکتے۔ عکرمہ نے کہا اللہ کی قسم اگر دریا میں اس کے سوا کوئی نہیں بچا سکتا تو خشکی میں بھی کوئی اس کے سوا نہیں بچا سکتا۔ اے اللہ میں تجھ سے عہد کرتا ہوں اگر اس مصیبت سے تو مجھے بچا لے تو میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جاؤں گا اور اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ پر رکھوں گا یعنی بیعت کر لوں گا اور میں ضرور ان کو اپنے لیے معاف کرنے والا مہربان (عفو کریم) پاؤں گا۔ پھر وہ آیا اور مسلمان ہو گیا۔ اور عبداللہ بن سعد بن ابی سرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس چھپ گیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو بیعت کیلئے بلایا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کو لا کر پیش کر دیا اور کہا: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عبداللہ سے بیعت قبول فرمائیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا سر اٹھایا اور تین بار عبداللہ کی طرف دیکھا اور تین بار کے بعد اس سے بیعت لے لی۔ اس کے بعد صحابہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کیا تم میں ایک بھی سمجھدار نہ تھا جب دیکھا کہ میں اس سے بیعت نہیں لے رہا تو اٹھ کھڑا ہوتا۔

انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم کو آپ کے دل کی بات کیسے معلوم ہوتی۔ آپ آنکھ سے اشارہ فرما دیتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نبی کا یہ کام نہیں کہ وہ آنکھوں سے اشارے کرے۔''

(نسائی کتاب المحاربہ باب الحکم فی المرتد ، حدیث :4073)

اس باب میں نسائی کی حدیث نمبر 4075 حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سورہ نحل :110/16 اس عبداللہ کے حق میں اتری۔ پھر ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس کے کاتب

وحی ہونے اور مرتد ہوکر دوبارہ مسلمان ہونے کا ذکر کیا۔

اسی عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عمرو بن العاص فاتح مصر کی جگہ مصر کا گورنر مقرر کردیا۔ (سیر اعلام النبلاء امام ذھبی ، ج:3، ص :415)

مشہور دیو بندی عالم حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابن عساکر نے لکھا ہے کہ زہری کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن مسیتب سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا حال پوچھا۔ آپ نے فرمایا قصہ یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت سب صحابہ کو ناگوار ہوئی کیونکہ سب کو معلوم تھا کہ آپ اپنے اعزہ واقربا کی بہت رعایت کرتے ہیں۔ آپ بارہ برس خلیفہ رہے۔ اس وقت اس قسم کے کئی عامل بنوامیہ میں سے ایسے تھے جو صحابی نہ تھے اور جن کو اصحاب رسول اچھا نہ جانتے تھے۔ مگر آپ چھ سال لگا تار ان صحابہ کی تالیف قلوب کرتے رہے جو آپ کے خلاف تھے اور ان کو معزول نہ کیا۔ لیکن بعد والے چھ سالوں میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے چچا کی اولاد پر مہربان ہوئے اور ان کو ان کے ہم خیال لوگوں کے ساتھ گورنر مقرر کرنا شروع کردیا۔ چنانچہ عبداللہ بن ابی سرح کو مصر کا حاکم مقرر کیا۔ اس کو وہاں دو ہی برس ہوئے تھے کہ اہل مصر ان کے ظلم کی شکایت کرنے کیلئے دارالخلافہ آئے۔ اس سے پہلے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے معاملات میں بنو ہذیل، بنوزہرہ کے دلوں میں اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے معاملہ کی نسبت بنو غفار اور اس کے اخلاف کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے شکایت پیدا ہو چکی تھی۔ اہل مصر کی شکایت نے اور بھی بارود کا کام کیا، جس نے ابی ذر رضی اللہ عنہ کے دل میں بہت رنجش ڈال دی اور بنومخزوم حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی وجہ سے آپ سے بہت خشمناک ہوئے۔ اہل مصر ابن ابی سرح کے ظلم سے ڈرتے ہوئے پھر آپ کے پاس آئے۔ پس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن ابی سرح کو تہدیدی نامہ لکھا، مگر اس نے کچھ پرواہ نہ کی اور ممنوعہ امورات کی تعمیل سے انکار کیا اور جو لوگ دارالخلافہ شکایتیں کرنے آئے تھے، ان کو مارا پیٹا اور بعض کو قتل کروادیا۔ یہ حالت دیکھ کر مصر کے سات سو آدمی دارالخلافہ آئے اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے عبداللہ بن سرح کی شکایتیں کیں اور خاص کر یہ کہ

اس نے اوقات نماز میں تبدیلیاں کر دی ہیں۔

(خطبہ جمعہ از مولانا احمد علی لاہوری خدام الدین مورخہ 19 جولائی 1957)

عبداللہ بن عامر

یہ شخص بھی گورنر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بھانجا تھا۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو اس نے بیت المال (سرکاری خزانہ) لوٹا اور یہ بھی مکہ پہنچ گیا۔

یعلیٰ بن امیہ

یہ شخص یمن کا گورنر تھا۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو اس نے یمن کا پورا بیت المال لوٹا اور یہ بھی مکہ پہنچ گیا۔

جو لوگ اسلامی حکومت پر قبضہ کرنے کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ہی منظم ہو چکے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی ان کا علم ہو چکا تھا جیسا کہ تفصیلاً پیچھے گزر چکا، ان کیلئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دور بہت زرخیز ثابت ہوا۔ ان لوگوں کے ناموں کو بہت چھپایا گیا مگر شرح مسلم از علامہ اُبی مالکی سے اس گروہ کا معلوم ہوا کہ یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے بعد میں اسلامی حکومت پر قبضہ کر لیا۔ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے رشتہ دار تھے۔ امیر معاویہ شام میں پہلے سے تھے، ولید بن عقبہ کوفہ میں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ماموں کا بیٹا عبداللہ بن عامر خراسان میں سعید بن العاص بصرہ، یعلیٰ ابن امیہ یمن میں گورنر بن گئے۔ مصر میں عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو گورنر مقرر کر دیا۔

ان جیسے لوگوں کے گورنر بننے سے امت میں غم و غصہ پھیل گیا۔ جن لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کیا، وہ صحابہ تھے۔ ان میں بیعت رضوان والے بھی شامل تھے، ان کا صرف ایک مطالبہ تھا کہ ایسے گورنروں کو ہٹا کر پہلے والے گورنر لگائے جائیں۔ اس کے سوا ان کا کوئی مطالبہ نہ تھا ایک دن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آدمیوں میں سے ایک نے محاصرین میں سے ایک کو تیر امارا، انہوں نے قاتل حوالے کرنے کا مطالبہ کیا جو رد کر دیا گیا۔ محاصرین نے گھر میں گھس کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا۔

ان گورنر حضرات کو قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ کی فکر نہ تھی بلکہ خود اپنی فکر تھی کہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حکومت مستحکم ہوگئی تو یہ گورنر کٹہرے میں ہوں گے کیوں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے ذمہ داران کے مقرر کردہ گورنر تھے جن کے کرتوتوں کا خمیازہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھگتنا پڑا۔

لہٰذا ان تمام گورنروں نے گٹھ جوڑ کر کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مظلومیت کا ڈھنڈورا پیٹنا شروع کر دیا، تاکہ اپنی جان بچا سکیں۔ انہوں نے سرکاری خزانہ لوٹ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حضرت علی علیہ السلام سے جنگ کی سازش کی تاکہ یہ دونوں فریق آپس میں لڑ کر کمزور ہو جائیں اور اصل ذمہ دار سزا سے بچ جائیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کا سبب

امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اپنی "کتاب الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ" کی ج:4، ص:223-224، نمبر شمار 5440 پر لکھتے ہیں:

"حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کا سبب رشتہ داروں کو صوبوں کا گورنر بنانا تھا۔ شام میں امیر معاویہ بصرہ میں سعید بن العاص، مصر میں عبداللہ بن سعد بن ابی سرح، خراسان میں عبداللہ بن عامر گورنر تھے۔ جب لوگ حج کیلئے آتے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو گورنروں کے خلاف شکایات پیش کرتے مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بہت نرم طبیعت، بہت احسان کرنے والے اور بہت درگزر کرنے والے تھے۔ بعض دفعہ شکایات سن کر گورنر بدل دیتے مگر بعد میں پھر انہی کو گورنر لگا دیتے۔ آخری دنوں میں مصری وفد کے مطالبہ پر عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو ہٹا کر محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو گورنر بنایا۔ وفد خوش ہو کر واپس چلا گیا۔ راستے میں انہوں نے ایک اونٹنی سوار کو بچ کر نکلتے ہوئے دیکھا۔ اس کو پکڑا اور پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا غلام ہوں اور اونٹنی بھی ان کی ہے۔ اس آدمی سے ایک خط پکڑا گیا جس میں لکھا تھا

اے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح اس قافلہ کے جتنے سر کردہ ہیں، ان کو قتل کردو، باقیوں کو سزا دو اور حکومت مت چھوڑنا۔ وفد وہ خط لے کر مدینہ آ گیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خط دیا تو انہوں نے قسم کھا کر انکار کیا اور کہا نہ ہی میں یہ خط لکھا نہ اس کی اجازت دی۔ وفد نے کہا کاتب ہمارے حوالے کریں، کاتب مروان تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کے قتل کے ڈر سے اسے حوالے نہ کیا، پھر وفد نے ناراض ہو کر مکان گھیر لیا۔''

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حکومت کی رٹ (عملداری) پہلی بار اس وقت ختم ہوئی جب کوفہ کے لوگوں نے نئے گورنر سعید بن العاص کو ماننے سے انکار کر دیا۔ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ جب سعد بن ابی وقاص کو ہٹا کر سعید بن العاص کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کوفہ کا گورنر مقرر کیا تو کوفہ میں اس کا کردار ٹھیک نہ تھا۔ اس نے لوگوں سے اچھا سلوک نہ کیا اور لوگوں نے اس کو پسند نہ کیا۔ حضرت مالک بن اشتر رحمۃ اللہ علیہ نے (جو مخضرم تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں انہوں نے بہت فتوحات کیں) مدینہ آ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور سعید بن العاص کے کرتوت بتا کر اس کو ہٹانے کا عوامی مطالبہ پیش کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے نہ صرف ان کا مطالبہ ردّ کر دیا بلکہ سعید بن العاص کو بطور گورنر اُن کے ساتھ ہی کوفہ بھجوا دیا۔ مالک اشتر نے سواری تیز کر دی اور سعید سے پہلے کوفہ پہنچ گئے۔ انہوں نے لوگوں سے خطاب کیا اور بتایا کہ ہمارا مطالبہ نہیں مانا گیا لہٰذا میں تمہیں ترغیب دیتا ہوں کہ سعید بن العاص کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں اور اس کو شہر میں داخل نہ ہونے دیں۔ وہ لوگوں کو ساتھ لے کر کوفہ سے باہر آ گئے اور گورنر کو شہر سے دور روک کر شہر میں داخل ہونے سے منع کر دیا۔ وہ واپس مدینہ آ گیا۔

پھر مالک اشتر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو نماز کا امام اور حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کو خزانہ کا انچارج مقرر کیا۔ سارے کوفہ نے ان کے اس اقدام کی تائید کی۔ پھر مالک اشتر نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو نئے انتظام

کی اطلاع دی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بظاہر اس پر خوشی کا اظہار کیا مگر اندر سے سمجھ گئے کہ میری حکومت کی رٹ ختم ہو چکی ۔ یہ پہلی کمزوری تھی جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حکومت کو لاحق ہوئی۔

(البدایہ والنہایہ ج:8،ص:-60)

یہ بات بالکل افسانہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ میرا دفاع نہ کرنا۔ وہ ایسی غلط بات نہیں کہہ سکتے تھے۔ ذوالحج کے مہینے میں مدینۃ الرسول میں، خلیفہ کا قتل معمولی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ برائی کو ہاتھ سے روک دو۔ اصل بات یہ ہے کہ انصار و مہاجرین نے حضرت عثمان کے رویہ کی وجہ سے ان کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تو گورنروں کو، امیر معاویہ سمیت مدد کے لئے خط لکھے مگر کسی گورنر نے ان کی مدد نہ کی۔

(تاریخ ابن جریر طبری، ج:3،ص:387-388)

ایک دن امیر معاویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا تم ہاشمی مدینہ میں موجود تھے اور تم نے محاصرہ کے وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مدد نہ کی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا۔ اللہ سے ڈر! جس کو سب لوگوں سے زیادہ عثمان رضی اللہ عنہ کی موت پسند تھی وہ تم تھے تا کہ تم ان کو مظلوم بنا کر خود کو بچانے کا سامان کر سکو۔

(ابن عساکر، تاریخ دمشق، ج:13،ص:263، جز"ب")

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے طرز حکومت میں کوئی بات تو ایسی تھی کہ چھ سو آدمی دار الخلافہ میں ان پر غالب آ گئے جبکہ مدینہ صحابہ سے بھرا پڑا تھا۔ جو کچھ پیچھے گزرا اور اب زیر نظر ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ محاصرہ کرنے والے اور اعتراض کرنے والے انسان سبائی نہیں بلکہ صحابہ اور تابعین تھے۔

بخاری "کتاب الفتن بات الفتنه التی تموج کموج البحر "میں ابو وائل سے راویت ہے:

''لوگوں نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے کہا تم کیوں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بات نہیں کرتے؟ انہوں نے کہا میں ان سے بات کر چکا ہوں لیکن لوگوں میں سے نہیں ہونا چاہتا جو فتنہ کا دروازہ کھولنا چاہتے ہیں اور میں ایسا آدمی بھی نہیں ہوں کہ اگر کوئی دو آدمیوں پر حاکم بن جائے تو (بطور خوشامد) اس کو کہوں کہ تم اچھے آدمی ہو جبکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ قیامت کے دن ایک آدمی کو لایا جائے گا اور دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ اس کی انتڑیاں باہر نکل آئیں گی اور وہ ان کے گرد چکر لگاتا رہے گا جیسے چکی کا گدھا گھومتا رہتا ہے۔ دوزخی اس کے گرد جمع ہو جائیں گے اور پوچھیں گے اے فلاں! تو وہی نہیں جو ہمیں نیکی کا حکم دیتا تھا اور برائی سے منع کرتا تھا پھر وہ کہے گا میں لوگوں کو نیکی کا حکم دیتا تھا اور خود نیکی نہیں کرتا تھا، لوگوں کو برائی سے منع کرتا تھا مگر خود برائی کرتا تھا۔''

اس حدیث کی شرح میں امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''امام کرمانی نے لکھا کہ یہ جو کہا تم عثمان رضی اللہ عنہ سے کیوں بات نہیں کرتے؟ یہ ان چیزوں کے بارے میں تھی جو لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ میں غلط سمجھیں اور وہ رشتہ داروں کو حاکم مقرر کرنا اور دوسری مشہور باتیں اس میں شامل ہیں۔'' (فتح الباری شرح بخاری ج:13،ص:48،حدیث:7098)

بنو امیہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر غالب آ گئے اور لوگوں پر ظلم کیا جس سے لوگ ناراض ہوئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قتل ہوئے۔ (شہرستانی: الملل والنحل)

جب باغیوں نے اعتراض کیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بنو امیہ کے کاموں کا جواز پیش نہ کر سکے۔ (طبری ج:3،ص:425-426)

امام اہل سنت مولانا عبد الشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے عمال کے بارہ میں لکھتے ہیں:

''آخری چھ سال میں آپ نے اپنے اعزّہ واقارب کو عہدوں پر مقرر فرمایا اورانہوں نے کام خراب کردیا۔صلہ رحم کی صفت کا آپ پر غلبہ تھا۔اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ صفت بڑی عمدہ صفت ہے مگر کوئی چیز کیسی ہی عمدہ سے عمدہ ہو جب حداعتدال سے تجاوز کر جائے تو خرابی پیدا ہوتی ہے۔''

(خلفائے راشدین ص:185-186)

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سکون قلب اور بردباری، راست روی، رحمت اور کرم کے ساتھ نظام کو چلایا جوان سے پہلے قائم ہو چکا تھا مگر ان میں نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسی قوت تھی، نہ ان کی سی مہارت، نہ اس درجہ کا کمال عدل وزہد، اس لیے بعض لوگوں نے اس سے ناجائز فائدہ اٹھایا اور وہ دنیا کی طلب میں منہمک ہوگئے اور آپ کے اقارب کو جو مناصب حاصل ہوئے تھے، انہوں نے فتنے کو جنم دیا حتیٰ کہ آپ مظلومی کی حالت میں شہید ہوگئے۔''

(منہاج السنۃ ج:4،ص:121)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ میں کمی یا نقص صرف اس معیار کے لحاظ سے تھا جو ان سے پہلے شیخین رضی اللہ عنہما کے حق میں ثابت ہو چکا تھا۔طبری (محبّ الدین طبری) نے الریاض النضرہ میں اپنی یہی تحقیق بیان کی ہے۔''

(ملا علی قاری:مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ابواب المناقب)

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی سیرت حضرات شیخین کی سیرت سے مختلف تھی کیونکہ وہ بعض اوقات عزیمت کی بجائے رخصت پر اتر آتے تھے اور آپ کے گورنروں اور عمال میں شیخین کے امراء وعمال جیسی صفات نہ

تھیں۔''   (شاہ ولی ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء مقصدِ اوّل ص:150)

سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ان فتنوں کے بھڑ کنے کا سبب یہ ہوا کہ امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ اپنے رشتہ داروں کو مناصب حکومت پر مقرر کرتے تھے اور ان میں سے بعض کا طرز عمل اچھا نہ تھا۔ ان پر لوگ معترض ہوتے اور ان کی شکایت بھی لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تک پہنچائیں مگر حضرت نے ان کو سچ نہ سمجھا اور خیال کیا کہ یہ لوگ میرے رشتہ داروں سے خواہ مخواہ جلتے ہیں اور شاید انہیں میرے رشتہ داروں کا مناصب پر مقرر کیا جانا ناگوار ہے۔ اس لیے ان کی شکایتیں کرتے ہیں۔ (فیض الباری ج:2،ص:)

مولانا عبد الشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''سب سے بڑا اعتراض آپ پر یہ تھا کہ آپ نے اپنے خاندان کے لوگوں کو بڑے بڑے عہدوں پر مقرر کر رکھا تھا۔ یہ ضرور ہے کہ آپ کا فعل سیرت شیخین کے خلاف تھا اور نتیجہ بھی اس کا اچھا نہ نکلا۔''

(خلفائے راشدین: ص:193-194)

باغی کون تھے؟

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مبشر بالجنۃ، خلیفہ راشد اور نص نبوی کے مطابق شہید ہیں۔ ان کی حکومت کے بعض امور سے ناراض اور ان کا محاصرہ کرنے والوں میں کئی صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین شامل تھے۔ ان میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں۔

1۔ مصری وفد کو لانے والے عبد الرحمٰن بن عدیس رضی اللہ عنہ بیعت رضوان میں شریک تھے۔

2۔ جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو منبر سے اتارا اور ان کا عصا توڑ ڈالا وہ حضرت جھجاہ غفاری رضی اللہ عنہ تھے۔ وہ بھی بیعت رضوان میں شریک تھے۔

3۔ محمد بن ابی حذیفہ امیر معاویہ کے ماموں کے بیٹے تھے۔

4۔ محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ صغیر صحابی تھے۔

5۔ مالک اشتر مخضرم تھے۔ ان کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ملاقات نہ ہو سکی مگر دورِ نبوی میں موجود تھے۔

6۔ ذوالخویصرہ جو بعض کے نزدیک عثمان رضی اللہ عنہ کا اصل قاتل تھا، وہ بھی صحابی تھا۔

حضرت علی علیہ السلام کی طرف سے باغیوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی صفائی دینے کی ساری روایات بے اصل ہیں۔ باغیوں کا صرف ایک ہی مطالبہ تھا کہ موجودہ گورنر ہٹا کر حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما والے گورنر لگائے جائیں۔ وہ لوگ افسانوی سبائی نہیں بلکہ صحابہ و تابعین تھے۔

باغیوں کے پیچھے نماز کی اجازت

عبید اللہ بن عدی بن خیار رحمۃ اللہ علیہ، عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس گئے جبکہ وہ محصور تھے اور کہا آپ تو امام عام ہیں اور آپ پر جو مصیبت نازل ہوئی جانتے ہیں، اور ہم کو باغیوں کا امام نماز پڑھاتا ہے۔ ہم ڈرتے ہیں کہ اس کے پیچھے نماز پڑھ کر گناہ گار نہ ہوں۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا لوگ جو کام کرتے ہیں ان میں سب سے اچھا عمل نماز ہے۔ پھر جب وہ اچھا کام کریں۔ تو بھی ان کے ساتھ مل کر اچھا کر اور جب وہ برا کام کریں تو ان کے برے کام سے الگ رہ۔

(بخاری کتاب الاذان باب امامۃ المفتون و المبتدع)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد کیوں مانے گئے؟

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ راشد اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ شروع کے مسلمان تھے، دین کے لئے اپنے چچا حکم بن عاص سے مار کھائی، حبشہ کو ہجرت کی، دامادِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، عشرہ مبشرہ میں شامل جنتی، نصِ نبوی کے مطابق شہید، سب کچھ ہیں، مگر حکومت کا الگ معاملہ ہے۔ نیک ہونا اور بات ہے اور ملکی انتظام اور بات ہے۔

مولانا شمس الحق عظیم آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے "عون المعبود" ج:4،ص:339 پر ملا علی

قاری ؒ کی کتاب "مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح" سے ایک اقتباس درج کیا ہے:

"رسول کریم ﷺ کی احادیث سے پتہ چل گیا کہ نبوت کی طرز پر خلافت کی روح اور مغز حضرت عمرؓ کی خلافت کے بعد ختم ہو گئے۔"

حضرت عمرؓ کا دور ختم ہونے پر حقیقتِ خلافتِ نبویہ ختم ہوگئی اگرچہ بعد والے دونوں خلیفہ ذاتی طور پر نیک تھے۔

قصاصِ عثمان ؓ

سیدنا عثمانؓ کے قاتلوں میں سے سودان بن حمران اور کلثوم بن تجیب دونوں موقع پر ہی سیدنا عثمانؓ کے غلاموں کے ہاتھوں قتل ہو گئے، غافقی اور کنانہ بن بشر موقع سے فرار ہو گئے اور بعد میں یہ بھی قتل ہوئے۔ ابن جریر طبری ؒ نے بعض سلف سے نقل کیا ہے:

"قاتلان عثمانؓ میں سے کوئی بھی زندہ نہ بچ سکا۔"

(ابن کثیر۔ البدایہ والنہایہ ج:7، ص:188-189)

امام ابن تیمیہ ؒ لکھتے ہیں: "حضرت علیؓ قاتلانِ عثمانؓ کو قتل نہ کرنے میں معذور تھے کیونکہ قصاص لینے کے لئے جو شرائط ضروری ہیں وہ موجود ہی نہ تھیں۔" (منہاج السنۃ ج:3، ص:129)

قاضی ابوبکر بن العربی ؒ نے اپنی تفسیر قرآن بنام احکام القرآن میں اس مسئلہ کی صحیح شرعی پوزیشن بیان کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

(حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد) لوگوں کو بلا امام چھوڑ دینا ممکن نہ تھا چنانچہ امامت باقی ماندہ صحابہؓ کے سامنے پیش کی گئی جن کا ذکر حضرت عمرؓ نے شوریٰ میں کیا تھا مگر انہوں نے اسے ردّ کر دیا اور حضرت علیؓ نے جو اس کے سب سے زیادہ حق دار تھے اور اہل تھے، اسے قبول کر لیا تھا تا کہ امت کو خونریزی اور آپس کی پھوٹ سے بچایا جا سکے جس سے دین و

ملت کو نا قابل تلافی نقصان پہنچ جانے کا خطرہ تھا۔ پھر جب ان سے بیعت کر لی گئی تو شام کے لوگوں نے ان کی بیعت قبول کرنے کیلئے یہ شرط لگائی کہ پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کو گرفتار کر کے ان سے قصاص لیا جائے۔ علی علیہ السلام نے ان سے کہا پہلے بیعت میں داخل ہو جاؤ پھر حق کا مطالبہ کرو اور وہ تمہیں مل جائے گا۔ مگر انہوں نے کہا آپ بیعت کے مستحق ہی نہیں جبکہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کو صبح و شام آپ کے ساتھ دیکھ رہے ہیں۔

اس معاملہ میں حضرت علی علیہ السلام کی رائے زیادہ صحیح تھی اور ان کا قول زیادہ درست تھا۔ کیونکہ اگر وہ اس وقت قاتلان عثمان سے بدلہ لینے کی کوشش کرتے تو قبائل ان کی حمایت پر اٹھ کھڑے ہوتے اور لڑائی کا ایک تیسرا محاذ کھل جاتا۔ اس لیے وہ انتظار کر رہے تھے کہ حکومت مضبوط ہو جائے اور تمام مملکت میں ان کی بیعت منعقد ہو۔ اس کے بعد باقاعدہ عدالت میں اولیاء مقتول کی طرف سے دعویٰ پیش ہو اور حق کے مطابق فیصلہ کر دیا جائے۔

علمائے امت کے درمیان اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ امام کیلئے قصاص کو موخر کرنا ایسی حالت میں جائز ہے جبکہ اس سے فتنہ بھڑک اٹھے اور تفرقہ برپا ہونے کا خطرہ ہو۔

ایسا ہی معاملہ حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم کا بھی تھا۔ ان دونوں حضرات نے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلافت سے بے دخل کیا تھا نہ وہ ان کے دین پر معترض تھے البتہ ان کا خیال یہ تھا کہ سب سے پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے ابتداء کی جائے۔ مگر حضرت علی علیہ السلام اپنی رائے پر قائم رہے اور انہی کی رائے صحیح تھی۔

قاضی صاحب سورۂ حجرات: 9/49 کے تحت لکھتے ہیں:

"حضرت علی علیہ السلام نے ان حالات میں اس آیت کے تحت عمل کیا تھا۔

انہوں نے ان باغیوں سے جنگ کی جو امام پر اپنی رائے مسلط کرنا چاہتے تھے اور ایسا مطالبہ کر رہے تھے جس کا انہیں حق نہ تھا۔ ان کے لیے صحیح طریقہ یہ تھا کہ وہ علی علیہ السلام کی بات مان لیتے اور اپنا مطالبہ قصاص عدالت میں پیش کر کے قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ پر مقدمہ ثابت کرتے۔ اگر ان لوگوں نے یہ طریق کار اختیار کیا ہوتا اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ مجرموں سے بدلہ نہ لیتے تو انہیں کش مکش کرنے کی بھی ضرورت نہ ہوتی۔ عام مسلمان خود ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معزول کر دیتے۔" (احکام القرآن ج:4،ص:1708-1706)

اسلامی شریعت کا یہ مسئلہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے "فقہ اکبر" اور "مرقاۃ شرح مشکوٰۃ" میں واضح کیا کہ باغی اگر ہتھیار ڈال دیں اور حکومت کو تسلیم کر لیں تو ان سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔ اگر باغیوں کو معلوم ہو کہ ہتھیار ڈالنے کے بعد بھی ان سے قصاص لیا جائے گا تو وہ کبھی ہتھیار نہیں ڈالیں گے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے مطابق قصاص نہیں ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ قصاص کے اگرچہ قائل تھے مگر فرماتے ہیں اگر فتنہ کا اندیشہ ہو تو خلیفہ قصاص کو مناسب وقت تک ٹال سکتا ہے۔ اسی طرح البحر الرائق میں لکھا ہے کہ باغی کے توبہ کر لینے اور حربی کافر کے اسلام لے آنے کے بعد ان کی جان و مال سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔ (البحر الرائق شرح کنز الاقائق باب البغاۃ)

دورِ عثمان رضی اللہ عنہ کے دو اہم کردار

آپ کے دور کے دو اہم کردار حکم بن عاص اور مروان بن حکم بن عاص تھے۔ ان دونوں کا تعارف اور کارنامے پیش خدمت ہیں۔

حکم بن عاص

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

''ایک مرتبہ ہم لوگ نبی ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور (میرے والد) عمرو بن عاص کپڑے پہن رہے تھے تاکہ وہ بھی مجھ سے مل جائیں یعنی مجلس نبوی میں حاضر ہوں) پھر ہم پاس ہی بیٹھے تھے کہ نبی ﷺ نے فرمایا عنقریب تمہارے پاس ایک ملعون آدمی آئے گا۔ خدا کی قسم! مجھے مستقل دھڑکا لگا رہا اور میں اندر باہر برابر جھانک کر دیکھتا رہا (کہ کہیں میرے والد نہ ہوں) حتیٰ کہ حکم بن عاص مسجد میں داخل ہوا۔

(مسند احمد حدیث نمبر 6520)(ج:3،ص:512)

امام ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ علیہ نے ''سلسلة الاحاديث الصحيحه'' میں ج:7، حدیث: 3240،ص:719 تا 725، جز نمبر 2، تک اس حدیث پر بحث کی ہے اور اس کے بارے میں طرق جمع کر کے کہا یہ مسلم کی شرط یعنی معیار پر صحیح ہے۔

علامہ رشید رضا مصری اپنی کتاب ''الخلافة الامامة العظمیٰ'' ص:67 (اردو) پر لکھتے ہیں:

''مروان کے والد حکم بن عاص اور اس کی اولاد پر لعنت کے متعلق بہت سی احادیث مروی ہیں جن کو طبرانی وغیرہ نے روایت کیا ہے جن میں سے اکثر قابل اعتراض ہیں لیکن بعض درست بھی ہیں۔''

حکم بن عاص رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا چچا تھا اور ان کو مسلمان ہونے کے جرم میں بوری میں بند کر کے مارا کرتا تھا۔ فتح مکہ کے موقعہ پر مسلمان ہوا اور مدینہ آکر رہنے لگا۔ مگر اس کی بعض حرکات کی وجہ سے رسول کریم ﷺ نے اسے مدینہ سے نکال دیا تھا اور طائف میں رہنے کا حکم دیا تھا۔ امام ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے ''الاستیعاب'' میں اس کی ایک وجہ یہ بیان کی ہے کہ رسول کریم ﷺ اپنے اکابر صحابہ کے ساتھ راز میں جو مشورے فرماتے تھے ان کی کسی نہ کسی طرح سن گن لے کر وہ انہیں افشا کر دیتا تھا۔ اور دوسری وجہ یہ

بیان کرتے ہیں کہ وہ رسول کریم ﷺ کی نقل اتارا کرتا تھا حتیٰ کہ ایک مرتبہ خود حضور ﷺ نے اسے یہ حرکت کرتے دیکھ لیا۔

(الاستیعاب ج:1،ص:118-119، 263)

یہ بھی روایت کہا گیا کہ حکم بن عاص نے حضور ﷺ کے گھر میں اس وقت جھانکا جب آپ ﷺ اپنی بیویوں کے پاس موجود تھے۔اس کے علاوہ بھی اس کا کوئی ایسا قصور تھا جس کو اللہ و رسول ﷺ جانتے ہیں۔

''جب حکم بن عاص کو طائف جلاوطن کیا گیا تو مروان اس وقت 7/8 برس کا تھا اور وہ بھی اپنے باپ کے ساتھ طائف میں رہا۔ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو ان سے عرض کیا گیا حکم بن عاص کو واپسی کی اجازت دے دیں، انہوں نے انکار کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی اسے مدینہ آنے کی اجازت نہ دی گئی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں اس کو واپس بلا لیا اس طرح یہ دونوں باپ بیٹا طائف سے مدینہ آ گئے۔

(امام ابن حجر، الاصابہ ج:1،ص 344-345)، محب الدین طبری ، الریاض النضرہ ج:2، ص:143)

مروان کے اس پس منظر کو نگاہ میں رکھا جائے تو یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آ سکتی ہے کہ اس کا سیکرٹری بلکہ چیف سیکرٹری کے منصب پر مقرر کیا جانا لوگوں کو کسی طرح گوارا نہ ہو سکتا تھا۔ خصوصاً اس وقت جبکہ اس کا ملعون و معتوب باپ زندہ تھا اور اپنے بیٹے کے ذریعے حکومت کے کاموں پر اثر انداز ہو سکتا تھا۔

حکم بن عاص اور اس کی اولاد (اولاد کی اولاد شامل نہیں) پر حضور ﷺ نے لعنت فرمائی ہے۔(مستدرک حاکم ج:4،ص:481، ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح کہا ہے۔)

امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

''میں نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو کعبہ سے ٹیک لگا کر یہ کہتے ہوئے

سنا کہ اس کعبہ کے رب کی قسم! نبی ﷺ نے فلاں شخص اور اس کی پشت سے پیدا ہونے والی اولاد پر لعنت فرمائی ہے۔"

(مسند احمد مرویات عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ حدیث نمبر 16267)

یوسف بن ماہک سے روایت ہے:

"مروان بن حکم معاویہ کی طرف سے حجاز کا حاکم تھا۔ اس نے تقریر کی تو اس میں یزید بن معاویہ کا ذکر کیا تا کہ لوگ معاویہ کے بعد اس کی بیعت کر لیں۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں کچھ کہا۔ مروان نے ان کی گرفتاری کا حکم دیا۔ وہ (اپنی بہن) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں داخل ہو گئے وہاں ان کو کوئی نہ پکڑ سکا۔ (آخر جب اس کا بس نہ چلا تو) مروان نے کہا یہ عبدالرحمٰن وہی شخص ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سورہ احقاف: 17/46 نازل فرمائی۔ (فتح الباری ج:8،ص:577)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پردے کے پیچھے سے یہ کہا ہمارے خاندان کی برائی میں کوئی آیت نہیں اتری سوائے میرا عذر بیان کرنے والی آیات کے

(بخاری کتاب التفسیر سورہ احقاف باب والذی قال لوالدیہ اف لکما)

بخاری میں تو اتنا ہی واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ اس کی تشریح میں امام ابن حجر نے فتح الباری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مروان کے باپ پر لعنت کی اور مروان اس کی پشت میں تھا۔

(فتح الباری ج:8،ص:577،حدیث نمبر 4827 بحوالہ نسائی، اسماعیلی، ابن المنذر، ابویعلیٰ، ابن ابی حاتم)

مزید تشریح کے لئے ملاحظہ ہو الاستیعاب ج:2،ص:393، البدایہ والنہایہ ج:8 ص:89 الکامل ابن اثیر ج:3،ص:25۔

تفسیر قرطبی اور تفسیر ابن کثیر سورہ احقاف: 17/46 کی تفسیر میں امام نے ابن ابی

حاتم کا قول نقل کیا ہے:

''مروان سے عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ نے کہا کیا تو لعین کا بیٹا نہیں ہے؟ جس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے لعنت کی ابن کثیر نے نسائی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مروان کی الزام تراشی کے جواب میں فرمایا مروان جھوٹ کہتا ہے، بلکہ مروان کے باپ پر اس حالت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے لعنت فرمائی کہ مروان اس کی پشت میں تھا اور یہ اس لعنت کا ٹکڑا ہے۔'' (تفسیر قرطبی، ج:16، ص:197)

امام ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں یہ لکھا ہے کہ عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کا انتقال 53ھ میں نہیں بلکہ 58ھ میں ہوا اور اس سے پہلے انتقال کر جانے کی روایت درست نہیں ہے۔

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''مروان کا باپ حکم بن عاص نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بدترین دشمنون میں سے تھا۔ فتح مکہ کے روز ایمان لایا اور مدینے پہنچا۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسے طائف کی طرف جلاوطن کر دیا۔'' (البدایہ والنہایہ ج:8، ص:259)

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''31ھ میں مروان کا والد حکم بن عاص فوت ہوا۔ وہ فتح مکہ کے روز مسلمان ہوا تھا۔ مگر نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے راز فاش کر دیا کرتا تھا۔ (یعنی جاسوسی کرتا تھا) اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رفتار مبارک کی نقلیں اتارتا تھا۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسے طائف جلاوطن کر دیا اور اس پر لعنت بھیجی۔ وہ جلاوطن ہی رہا حتیٰ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے اسے مدینہ میں داخل کیا اور ایک لاکھ کا عطیہ دیا۔ (العبر فی خبر من غبر جزو اوّل ص:32)

امام حافظ نورالدین ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ نے ''مجمع الزوائد ومنبع الفوائد'' میں امام

احمد کی مسند کے حوالہ سے اوپر والی حدیث درج کرنے کے بعد حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے دوسری روایت درج کی ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ایک آدمی تمہارے پاس آنے والا ہے جو قیامت کے دن میری سنت یا میری ملت پر نہیں اٹھایا جائے گا۔ میں اپنے والد کو گھر چھوڑ آیا تھا لہٰذا میں ڈر رہا تھا کہ وہی نہ ہوں پھر ایک اور آدمی (یعنی حکم بن عاص) سامنے آ گیا۔

اس کے بعد وہیں عبداللہ بن عمرو سے تیسری روایت ہے:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا کہ اس گھاٹی سے ایک شخص تمہارے سامنے نمودار ہوگا اور وہ اہل دوزخ میں سے ہوگا۔ حضرت عبداللہ کہتے ہیں کہ میں پیچھے اپنے والد کو وضو کرتے چھوڑ آیا تھا اور میں ڈر رہا تھا کہ اندر آنے والے وہی نہ ہوں۔ لیکن ایک دوسرا شخص آ گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ یہ وہ شخص ہے۔ (مجمع الزوائد ج:1، ص:112)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مروان کو کہا تھا کہ تیرے باپ حکم اور اس کی اولاد پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے لعنت کی ہے

(امام ابن حجر فتح الباری ج:8، ص:577 حدیث نمبر 4827، بخاری کتاب التفسیر سورہ احقاف، صحیحہ ج:7، جز نمبر 2، ص 719-725، حدیث نمبر 3240)

سوچنے کی بات یہ ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے معاف فرمادیا تھا مگر حکم بن عاص کو کیوں معاف نہ کیا؟ اس نے کوئی ایسا جرم کیا تھا جس کی بنا پر اس پر لعنت کی اور طائف کو نکال دیا۔ اس کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے واپس مدینہ بلالیا اور یہی غلطی تھی۔ پھر اس کے بیٹے مروان کو اپنا داماد بنا کر سارا کاروبار حکومت سونپ دیا۔ حدیث میں ہے کہ جب حکم بن عاص کی نسل کی تعداد 30 ہو جائے گی تو پھر یہ لوگ اللہ کے دین کو فریب دینے کا ذریعہ بنالیں گے اور اللہ کے بندوں کو غلام بنالیں گے اور اللہ کے

مال (بیت المال) کو آپس میں گردش دیں گے۔

(البانی،صیحہ،ج: 2،ص 379 تا 381 حدیث 744)

مروان بن حکم بن عاص

حضور ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ مروان کی اولاد میرے منبر پر بندروں کی طرح ناچ رہی ہے۔ پھر اس کے بعد وفات تک آپ ﷺ کو مسکراتے نہیں دیکھا گیا۔

(علامه البانی رحمہ اللہ، سلسلة الاحاديث الصحيحه ج:7،جزو نمبر 3، ص :1645-1649،حدیث نمبر 3940 بحواله مستدرك حاكم ،ج:4،ص :480،)

حاکم نے شرط شیخین (بخاری و مسلم) پر صحیح کہا اور امام ذہبی رحمہ اللہ نے بھی ایسا ہی کہا۔ علامہ البانی نے پانچ صفحوں میں اس حدیث پر بحث کی اور اس کو صحیح کہا۔

اس حدیث میں بیان ہونے والے خواب میں رسول اللہ ﷺ کو دکھادیا گیا کہ حکومت پر مروانیوں کا قبضہ ہو جائے گا۔ اس بات نے حضور ﷺ کو بہت غمگین کیا۔

عید گاہ میں منبر بنوانا

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

"میں مروان، جو مدینہ کا حاکم تھا، کے ساتھ عید کی نماز پڑھنے کیلئے نکلا تو عید گاہ میں دیکھا کہ ایک منبر موجود ہے جس کو کثیر بن صلت نے بنوایا تھا۔ مروان نے منبر پر نماز سے پہلے چڑھنا چاہا۔ میں نے اس کا کپڑا پکڑ کر کھینچا لیکن وہ زبردستی منبر پر چڑھ گیا اور نماز عید سے پہلے خطبہ پڑھا۔ میں نے کہا خدا کی قسم تم لوگوں نے سنت کو بدل ڈالا۔ مروان کہا ابو سعید رضی اللہ عنہ! وہ زمانہ گذر گیا جس کو تم جانتے ہو۔ ابو سعید رضی اللہ عنہ نے کہا خدا کی قسم! جس زمانہ کو میں جانتا ہوں وہ اس سے بہتر ہے جس کو میں نہیں جانتا۔ مروان نے کہا بات یہ ہے کہ نماز کے بعد لوگ اٹھ کر چل دیتے ہیں۔ لہٰذا میں نے خطبہ عید سے پہلے کر دیا۔"

الاوسط ج:6، ص:389، حدیث نمبر 5828، المعجم الصغیر ص:199، هندیه ، المعجم الکبیر ج:23، ص323، حدیث نمبر 738)

دونوں عیدوں میں خطبہ نماز عید کے بعد پڑھنا سنت ہے مگر مروان نماز عید سے پہلے خطبہ پڑھتا تھا کیونکہ لوگ اس کی بکواس سنے بغیر عید پڑھ کر چلے جاتے تھے۔ یہ شخص سنت کی تحقیر کرتا تھا، جیسا کہ اس نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے کہا وہ زمانہ گزر گیا جس کو تم جانتے ہو۔

عید کا خطبہ نماز سے پہلے کر دیا

طارق بن شہاب سے روایت ہے کہ (مدینہ میں) جس نے عید کی نماز سے پہلے خطبہ شروع کیا وہ مروان تھا۔ اس وقت ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا خطبہ سے پہلے نماز عید پڑھنا چاہئے۔ مروان نے کہا یہ بات چھوڑ دی گئی ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا اس شخص نے تو اپنا حق ادا کر دیا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے آپ نے فرمایا جو شخص تم میں سے کسی منکر (خلاف شرع) کام کو دیکھے تو اس کو مٹا دے ہاتھ سے، اگر اتنی طاقت نہ ہو تو زبان سے اور اگر اتنی طاقت بھی نہ ہو تو دل میں برا جانے اور یہ سب سے ضعیف ایمان کا درجہ ہے۔

عیاض بن عبداللہ بن ابی سرح سے روایت ہے:

"ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن آئے اور مروان خطبہ (تقریر کر رہا تھا) دے رہا تھا۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے۔ پہرے دار آ کر ان کو (زبردستی) بٹھانے لگے مگر ابوسعید نہ مانے اور نماز مکمل کی۔ نماز جمعہ سے فارغ ہو کر ہم نے ابوسعید رضی اللہ عنہ سے کہا اللہ آپ پر رحم کرے، یہ لوگ تو آپ پر گرے پڑتے تھے۔ انہوں نے کہا میں کبھی نہ چھوڑوں گا اس چیز کو جس کو دیکھا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے، پھر ذکر کیا کہ ایک شخص جمعہ کے دن آیا، وہ میلا کچیلا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمعہ کا خطبہ پڑھ رہے تھے پھر حکم کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور اس شخص نے دو رکعتیں پڑھیں اور اس وقت بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔

(ترمذی ابواب الجمعه باب فی الرکعتین اذا جاء الرجل والامام یخطب)

(مسلم کتاب الایمان باب کو ن النهی عن المنکر من الایمان وان الایمان یزید و ینقص)، بخاری کتاب العیدین باب الخروج الی المصلی بغیر منبر التمهید ج:10،ص :243، مسند احمد 89 110-11167-، 11480، 11512، 11534، 11898)

مروان حضرت علی علیہ السلام پر لعنت کرتا تھا

یہ حدیث دوسری کتابوں مثلاً ابوداؤد وغیرہ میں بھی آئی ہے۔لوگ اس لیے مروان کا خطبہ نہیں سنتے تھے کہ وہ اس میں سیدنا علی علیہ السلام پر لعنت کرتا تھا۔امام ابن کثیر لکھتے ہیں:

''یہ مروان جب امیر معاویہ کی طرف سے مدینہ کا گورنر مقرر ہوا تو ہر جمعہ منبر پر حضرت علی علیہ السلام اوران سے محبت کرنے والوں پر لعنت کیا کرتا تھا۔''

(البدایہ والنہایہ ج:8،ص:91)

ابوعبداللہ جدلی کہتے ہیں:

''ایک مرتبہ میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے مجھ سے فرمایا کیا تمہاری موجودگی میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالیاں دی جاتی ہیں۔میں نے کہا معاذ اللہ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے جو علی علیہ السلام کو گالی دیتا ہے وہ مجھے گالی دیتا ہے۔'

(مسند احمد، مسند النساء حدیث ام سلمہ رضی اللہ عنہا زوج النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حدیث نمبر 27284)

سبِّ علی علیہ السلام سبّ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے

ابوعبداللہ الجدلی سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا تمہارے منبروں پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالیاں دی جاتی ہیں جب یہ کہا جاتا کہ علی علیہ السلام اوراس سے محبت کرنے والوں پر لعنت کیونکہ میں جانتی ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے زیادہ علی علیہ السلام سے محبت کرتے تھے۔

(علامه البانی، سلسلة الاحادیث الصحیحه ج:7،حصه 2،حدیث نمبر 3332، بحواله مسند ابو یعلیٰ ج:12،ص :444-445، طبرانی فی المعجم

زکوٰۃ سے عطیات کا اعلان

مروان نے زکوٰۃ سے لوگوں کو عطیات دینے کا اعلان کیا جس پر مسلمانوں نے احتجاج کیا۔ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

''ایک روز مروان نے منبر پر کھڑے ہو کر کہا امیر المومنین معاویہ نے تمہیں بھرپور عطیات دینے کا حکم فرمایا ہے اور پوری کوشش کی ہے مگر مال میں سے ایک لاکھ درہم کم ہے۔ اور انہوں نے مجھے لکھا ہے کہ یمن کی زکوٰۃ جب یہاں سے گزارے تو میں وہ مال تمہارے لیے لے لوں۔ حضرت عروہ کہتے ہیں کہ لوگ گھٹنوں کے بل کھڑے ہو گئے اور میں نے انہیں یہ پکارتے ہوئے سنا ہرگز نہیں! ہم ان میں سے ایک درہم بھی نہیں لیں گے۔ کیا ہم دوسروں کا حق وصول کر لیں؟ یمن والا مال تو یتیموں اور مسکینوں کے لیے صدقہ ہے۔ ہمارے عطیات جزیہ سے ملنے چاہئیں تم معاویہ کو لکھو وہ ہمیں باقی رقم بھیج دیں۔ مروان نے یہ بات لکھی تب معاویہ نے باقی بھجوا دی۔

(کتاب الاموال امام ابو عبیدہ ابواب غنیمت وفئے ص 259 روایت نمبر 635)

تاریخی نسخہ قرآن جلا دینا

مروان کا یہ کارنامہ بھی ہے کہ اس نے قران کا وہ نسخہ جلا دیا جس کی کتابت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے کرائی تھی اور جس کی مزید نقول عثمان رضی اللہ عنہ نے بلادِ اسلامیہ میں بھجوائی تھیں۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''مشکل الآثار'' میں لکھتے ہیں:

''قرآن مجید کے یہ لکھے ہوئے اجزاء ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس ان کی وفات تک رہے۔ پھر یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ان کی وفات تک رہے۔ پھر ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا کی تحویل میں یہ نسخہ رہا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے طلب کیا مگر حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے واپسی کی شرط کے بغیر دینے سے انکار کر دیا اور اسی شرط پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حوالے کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

حکم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خلاف ورزی پر جرّی

مروان کو حدیث سنانا خطرے سے خالی نہ تھا۔ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں "سورہ النصر" کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ حدیث میں فرمایا گیا:

"فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں البتہ جہاد اور نیت ہے۔ مروان کو جب یہ حدیث ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے سنائی تو یہ کہنے لگا تو جھوٹ کہتا ہے۔ اس وقت مروان کے ساتھ اس کے تخت پر رافع بن خدیج اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ ان دونوں کو بھی اس حدیث کی خبر ہے لیکن ایک کو اپنی سرداری چھن جانے کا خوف ہے اور دوسرے کو زکوٰۃ کی وصولی کے عہدے سے معزول ہو جانے کا ڈر ہے۔ مروان نے یہ سن کر کوڑا اٹھا کر حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کو مارنا چاہا۔ ان دونوں بزرگوں نے جب یہ دیکھا تو کہنے لگے مروان ابو سعید رضی اللہ عنہ نے سچ فرمایا۔"

(مسند احمد ج:5، حدیث:11184)

مروان کا رہن سہن

حضرت ابو زرعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: "کہ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مروان کے گھر میں گیا۔ وہاں تصویریں تھیں۔ (دوسری روایت میں ہے کہ وہاں مصور تصویر بنا رہا تھا) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو میری مخلوق کی طرح بنانے کا ارادہ کرے۔ لہٰذا بنا دیں ایک ذرّہ یا ایک دانہ جو کا"

(مسلم کتاب اللباس والزینت باب تحریم تصویر صورة الحیوان)

اس روایت سے مروان کے رہن سہن کا اندازہ کرلیں۔

نے اس کی نقول تیار کرا کے اسے واپسی کر دیا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس ہی رہا حتیٰ کہ مروان نے بعد میں اسے منگوایا اور جلا دیا۔

(امام طحاویؒ: مشکل الآثار جز ثالث ص 4:)

ایسی تاریخی اور مقدس یادگار کو مروان کے سوا کون آگ میں جھونکنے کی جراءت کر سکتا تھا؟

مروان اور ادب صحابہ رضی اللہ عنہ

مروان نے اپنے زمانہ گورنری میں حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کو اس قصور پر لات ماردی کہ انہوں نے مروان کی ایک بات پر کہہ دیا کہ آپ نے یہ بری بات کہی ہے۔ (امام ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ الاستیعاب ج:1، ص353)

مروان نواصب کا سرغنہ تھا۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''بخاری میں مروان سے البتہ روایت آئی ہے، باوجودیکہ وہ نواصب (دشمنان اہل بیت) میں سے تھا بلکہ اس بدبخت گروہ کا سرغنہ تھا لیکن اس روایت کا مدار زین العابدین پر رکھا ہے اور ان ہی پر روایت کو ختم کیا ہے۔''

(تحفہ اثنا عشریہ اردو، ص:119)

معروف اور جید اہل حدیث عالم نواب صدیق حسن خاں رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''بدعت کی ایک قسم نصب (اہل بیت سے دشمنی) ہے جو تشیع سے بدتر ہے کیونکہ اس کا مطلب حضرت علی علیہ السلام کی دشمنی کو اپنا دین بنا لینا ہے۔''

(ھدایة السائل الی ادلة المسائل سوال و جواب نمبر 105، ص 496)

مروان اور فدک

فدک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد تمام خلفاء کے زمانہ میں بیت المال کی ملکیت رہا تھا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسے فاطمہ علیہا السلام تک کو دینے سے انکار کیا تھا مگر مروان نے

اپنے دورِ حکومت میں اسے اپنی ملکیت اور اپنی اولاد کی میراث بنالیا۔

(امام ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ الکامل ج:4،ص:164، امام ابن کثیر البدایہ والنہایہ ج:9ص:200-208)

مروان پر لعنت

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''تاریخ الخلفاء'' امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ کا ایک جامع خلاصہ ہے۔ اس میں معاویہ کے حالات کے آخر میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث نقل کی گئی ہے جس میں فرمایا گیا:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مروان کے باپ پر اس حالت میں لعنت فرمائی جب کہ مروان اپنے باپ کی پشت میں تھا لہٰذا مروان اللہ کی لعنت میں حصہ دار ہے۔ جبکہ مستدرک کی روایت میں جو پہلے گزر چکی ہے حکم بن عاص اور اس کی اولاد پر لعنت فرمائی گئی اور یہ مروان اسی لعنت کا ٹکڑا ہے۔''

البدایہ والنہایہ ج:8 ص:182-183 پر امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''مروان منبر پر حضرت علی علیہ السلام پر لعنت کیا کرتا تھا۔ پھر ایک دن حضرت حسن علیہ السلام نے کہا تیرے باپ پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعنت کی تھی اور تو اس کی پشت میں تھا۔''

مروان کے بارے میں علمائے اسلام کی رائے

امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ

امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ ظاہری فرماتے ہیں:

''مالکیہ کا عمل اہل مدینہ کو بطور دلیل پیش کرنا بے کار ہے کیونکہ وہاں مروان کے زمانہ سے تغیر سنن کا آغاز ہو گیا تھا۔'' (الاحکام ابن حزم،ص:854)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

ان سے سوال ہوا کہ مروان کو برا کہنے کے بارے میں اہل سنت کے نزدیک کیا

ثابت ہے؟ وہ جواب میں لکھتے ہیں:

''اہل بیت علیہ السلام کی محبت فرائض ایمان سے ہے نہ لوازم سنت، اور محبت اہل بیت میں یہ شامل ہے کہ مروان علیہ للعنۃ کو برا کہنا چاہئے اور اس سے دل سے بیزار رہنا چاہیے۔ علی الخصوص اس نے نہایت بدسلوکی کی حضرت امام حسین علیہ السلام اور اہل بیت کے ساتھ اور کامل عداوت ان حضرات سے رکھتا تھا۔ اس خیال سے اس شیطان سے نہایت ہی بیزار رہنا چاہیے۔''

(فتاویٰ عزیزی کامل ص: 380-381)

مولانا احمد علی سہارنپوری دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ

علمائے دیوبند کے یہ استاد ''بخاری کتاب الفتن'' کی شرح میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں جس میں فرمایا گیا: میری امت کی ہلاکت قریش کے چھوکروں کے ہاتھوں ہوگی، احادیث میں حکم اور اس کے بیٹے پر لعنت وارد ہے۔ طبرانی اور دوسرے محدثین نے ان کی تخریج کی ہے۔

شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ

آپ رحمۃ اللہ علیہ ''سنن ترمذی ابواب العیدین'' کی شرح میں فرماتے ہیں:

''کہا جاتا ہے کہ جس نے سب سے پہلے نماز عیدین میں نماز سے پہلے خطبہ دیا وہ مروان بن حکم تھا۔ مروان پرلے درجہ کا ظالم اور سنت نبوی کو پیٹھ دکھانے والا، اس سے منہ موڑنے والا تھا اور لوگوں پر جمعہ وعیدین کے مجمع ہائے عام میں سب وشتم کرتا تھا۔ لوگ اس وجہ سے نماز عید کے بعد خطبہ سنے بغیر چلے جاتے، اسی لیے اس نے نماز پر خطبہ کو مقدم کیا تاکہ لوگ منتشر نہ ہوسکیں کیونکہ ان کے لیے نماز کا انتظار تو ناگزیر تھا۔'' (تقریر ترمذی، ص: 19، مولانا محمود الحسن)

مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سید التابعین حضرت سعید بن المسیب کہا کرتے تھے بنی مروان

انسانوں کو بھوکا مارتے اور کتوں کو کھلاتے ہیں اور لوگ ان کے ہاتھوں پر ہر طرح کے ظلم اور شدائد سہتے ہیں۔ (مسئلہ خلافت ص:72)

مروان مدینہ کا گورنر تھا اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں موذن تھے۔ مروان کی بدذوقی کا یہ حال تھا کہ سورہ فاتحہ کے بعد آمین کہنا اور مقتدیوں کو شرکت کا موقعہ دینا بھی اس کی جلد بازی پر گراں گزرتا تھا۔ سورہ فاتحہ ختم کرتے ہی بلاسکتہ قرأت شروع کردیتا حالانکہ احادیث میں آمین کہنے کی نہایت درجہ فضیلت وارد ہے۔

لوگ ان کی یاوہ گوئی پسند نہ کرتے تھے۔ اس لیے اکثر ایسا ہوتا کہ عید کے دن نماز کے بعد ہی مجمع منتشر ہوجاتا۔ لوگ خطبہ کا انتظار نہ کرتے۔ یہ دیکھ کر مروان نے چاہا کہ عید کے دن نماز سے پہلے خطبہ دے تا کہ نماز کے انتظار کی وجہ سے لوگوں کو مجبوراً خطبہ سننا پڑے حالانکہ یہ صریح سنت کے خلاف تھا۔ سنت ثابتہ خطبہ عید کے بارے میں یہی ہے کہ نماز عید پہلے ادا کی جائے پھر خطبہ دیا جائے۔ (مسئلہ خلافت ص:71)

دیوبندی علماء میں سے سید احمد رضا بجنوری رحمۃ اللہ علیہ نے سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے ان کی آخری عمر میں حدیث پڑھی اور اپنے استاد کے لیکچر اردو زبان میں شائع کئے۔ اس کتاب کا نام ''انوار الباری فی شرح البخاری'' ہے۔ وہ اس کتاب کی ج:17 ص:192، پر لکھتے ہیں کہ ہمارے استاد فرماتے تھے:

''امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ پر حیرت ہے کہ اس مروان ملعون کی روایت اپنی کتاب میں درج کی۔ اس خبیث نے جنگ جمل میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو زہر آلود تیر مار کر شہید کیا۔ یہ حضرت علی علیہ السلام پر لعنت کرتا تھا۔''

مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے جرم ایک ایک کر کے گنوائے۔ اس ملعون نے حضرت حسن علیہ السلام کو روضہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں دفن ہونے سے زبردستی روکا، حالانکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا

اس کی اجازت دے چکی تھیں۔

مولانا نے کئی صفحوں میں اس ملعون کی کرتوتیں لکھی ہیں۔

مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے خطبہ جمعہ مورخہ 19 جولائی 1957ء میں اس بات سے متفق ہیں جو جو خدام الدین میں شائع ہوا۔

مولانا محمد میاں دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ

دیوبند کے فاضل استاد محمد میاں جو کہ جمعیت علمائے ہند کے بڑے عہدیدار تھے، ماہنامہ ''دارالعلوم دیوبند'' میں مروان کے بارے میں لکھتے ہیں:

''یہ سانحہ بھی ہمیں تاریخ صحیح کے صفحات پر موٹے حروف میں چھپا ہوا ملتا کہ حضرات شیخین کی مضبوط قیادت کے بعد عالم اسلام کے مشہور مفسد مروان اموی نے ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے ضعفِ پیری اور حیاء سے استفادہ کر کے مہمات دولتی (ملکی کاروبار) پر دستِ تصّرف پا کر اپنی قوم بنی امیہ کے احساس قومی کو نہ صرف جگایا بلکہ اس کو بنی ہاشم سے دست وگریبان کرنے کے لیے میدان میں بھی لے آیا۔'' (ماہنامہ دارالعلوم دیوبند دسمبر 1965ء)

مگر سید ابوالاعلی مودودی رحمۃ اللہ علیہ کو شیعہ ثابت کرنے کے لیے انہی حضرت نے ایک کتاب شواہد تقدس کے نام سے لکھی اور اس میں سید صاحب کی دشمنی میں مروان کی ڈھٹائی کو استقامت کا رنگ دے کر حضرت علی علیہ السلام پر ترجیح دینے کی کوشش کی۔ (شواہد تقدس، ص:214-215)

حضرت نائلہ زوجہ رضی اللہ عنہا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی رائے

مروان کی کرتوتوں کی چشم دید گواہ حضرت نائلہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ایک مرتبہ صاف صاف کہہ دیا:

''اگر آپ مروان کے کہے پر چلیں گے تو یہ آپ کو قتل کرا کے چھوڑے گا۔ اس شخص کے اندر نہ اللہ کی قدر ہے نہ ہیبت نہ محبت۔''

(امام ابن کثیر : البدایہ والنہایہ ، ج:7،ص:172-173، امام ابن جریر طبری ، ج:3،
ص:396-397)

مروان کی کامیاب منصوبہ بندی

اس نے اپنی چالوں سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو تنہا کر دیا (محمد میاں دیوبندی کے الفاظ میں اس مشہور مفسد نے) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور اکابر صحابہ کے باہمی خوشگوار تعلقات کو خراب کرنے کی مسلسل کوشش کی تا کہ وہ اپنے پرانے ساتھیوں کے بجائے مروان کو اپنا زیادہ خیر خواہ اور حامی سمجھنے لگے۔

(طبقات ابن سعد، ج:5،ص:36،البدایہ والنہایہ، ج:8،ص:259)

جنگ جمل کو جاتے ہوئے اس کی منصوبہ بندی ملاحظہ فرمائیں کہ یہ امت مسلمہ اور صحابہ کا کتنا بڑا دشمن تھا۔ بصرہ کو جاتے ہوئے راستے میں جب قافلہ مرالظہر ان (موجود وادی فاطمہ) پہنچا تو سعید بن العاص، سابق گورنر بصرہ نے اپنے گروپ کے لوگوں سے کہا اگر تم قاتلین عثمان سے بدلہ لینا چاہتے ہو تو ان لوگوں کو قتل کر دو جو تمہارے ساتھ اس لشکر میں موجود ہیں۔ اس کا اشارہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی طرف تھا کیونکہ بنی امیہ کا عام خیال تھا قاتلین عثمان صرف وہی نہیں ہیں جنہوں نے انہیں قتل کیا یا خروج کیا بلکہ وہ سب لوگ قاتلیں میں شامل ہیں جنہوں نے وقتاً فوقتاً عثمان رضی اللہ عنہ کی پالیسی پر اعتراض کئے یا جو شورش کے وقت مدینہ میں موجود تھے مگر قتلِ عثمان روکنے کے لیے نہ لڑے۔

مروان نے کہا نہیں ہم طلحہ رضی اللہ عنہ وزبیر رضی اللہ عنہ کو علی علیہ السلام سے لڑائیں گے۔ دونوں میں سے جس کو بھی شکست ہوگی وہ تو یوں ختم ہو جائے گا اور جو فتح یاب ہوگا، وہ اتنا کمزور ہو جائے گا کہ ہم اس سے بآسانی نمٹ لیں گے۔

(طبقات ابن سعد، ج:5،ص:35,36،ابن خلدون تکملہ، ج:2،ص:155)

مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ دیوبندی

مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے ''افادات ترمذی'' جو مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی

نے ''الکواکب الدّری '' کے نام سے جمع کر کے چھپوائے ہیں،ان میں مولانا فرماتے ہیں:

''مروان نے سب سے پہلے بری نیت کے ساتھ عید کا خطبہ نماز سے پہلے دیا۔ وہ اپنے خطبہ میں اہل بیت النبی ﷺ پر طعن وتعریض کرتا تھا اور ان کے حق میں بے ادبی کرتا تھا۔ جب لوگوں نے یہ دیکھا اور وہ اہل بیت کی ایذا رسانی پر صبر نہ کر سکے تو وہ نماز کے بعد چلے جاتے تھے۔ تب مروان نے خطبہ مقدم کیا تا کہ لوگوں کو مجبور کر کے ایسا خطبہ سنائے۔ پس اس کا یہ فعل خبث کا مظاہرہ تھا جس پر لوگوں نے اظہار نفرت کیا۔''

کیا مروان صحابی تھا؟

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول ''تہذیب التہذیب'' اور دوسری کتابوں میں منقول ہے کہ مروان صحابی نہیں تھا۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ ''تہذیب الاسماء'' میں فرماتے ہیں: ''مروان نے حضور ﷺ سے نہ حدیث سنی نہ آپ ﷺ کو دیکھا۔ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ جہاں تک مروان کا تعلق ہے، اس کی سماعتِ حدیث نبی ﷺ سے ثابت نہیں اور نہ وہ صحابی ہے کیونکہ وہ ایک طفل نادان تھا جب کہ اسے اس کے باپ کے ساتھ مدینہ سے طائف کی طرف جلاوطن کر دیا گیا۔ وہ اپنے باپ کے ساتھ طائف رہا حتیٰ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے اور انہوں نے ان دونوں کو واپس بلا لیا۔''

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ''تقریب التہذیب'' میں لکھا ہے:

''مروان کی صحابیت ثابت نہیں۔ امام عبدالرحمٰن بن محمد اپنی کتاب المراسیل میں فرماتے ہیں کہ مروان بن حکم نے نبی ﷺ سے کچھ بھی نہیں سنا۔''

حضرت حسن علیہ السلام کی تدفین اور مروان

جب حضرت حسن علیہ السلام کا انتقال ہوا تو حضرت حسین علیہ السلام نے (حضرت حسن علیہ السلام کی خواہش و وصیت کے مطابق) جا کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اجازت (تدفین) طلب کی۔ انہوں نے کہا بخوشی! مروان کو معلوم ہوا تو اس نے کہا حسین علیہ السلام و عائشہ رضی اللہ عنہا دونوں

جھوٹ کہتے ہیں، حسن علیہ السلام یہاں کبھی دفن نہیں کئے جاسکتے۔

(سیرت عائشہ رضی اللہ عنہا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ، ص:116 تا 118 بحوالہ الاستیعاب امام ابن عبدالبر، اسدالغابہ، امام ابن اثیر، تاریخ الخلفاء امام سیوطی، امام ابن کثیر کی البدایہ والنہایہ ،ج:8،ص:108)

واقعہ حرّہ میں مروان کا کردار

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ ''سیر اعلام النبلا'' میں مروان کے حالات میں لکھتے ہیں:

''مروان حرّہ کے روز مسرف بن عقبہ (ظالم کا اصل نام مسلم بن عقبہ تھا) کے ساتھ تھا اور اسے اہل مدینہ کے قتال پر ابھارتا رہا۔''

محاصرہ عثمان رضی اللہ عنہ اور مروان

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''مروان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے محاصرہ کا سب سے بڑا سبب تھا۔''

(البدایہ والنہایہ،ج:8،ص:259)

اس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے جعلی خط لکھا کہ مصری وفد کو قتل کردو۔ (ابن کثیر،البدایہ والنہایہ،ج:8،ص:278)

مروان قاتلِ طلحہ رضی اللہ عنہ

جنگ جمل کے آغاز میں حضرت علی علیہ السلام نے حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہم کو پیغام بھیجا کہ میں آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ دونوں حضرات تشریف لائے تو علی علیہ السلام نے ان کو ارشاداتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یاد دلا کر جنگ سے باز رہنے کی تلقین کی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ میدان جنگ چھوڑ کر چلے گئے اور طلحہ رضی اللہ عنہ آگے کی صفوں سے پچھلی صفوں میں جا کھڑے ہوئے۔ ان کا ارادہ بھی چلے جانے کا تھا۔ ایک ظالم عمرو بن جرموز نے زبیر رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھتے ہوئے شہید کردیا، جبکہ وہ میدان جنگ سے واپس جاچکے تھے۔

مروان نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے واپس چلے جانے کے ارادہ کے پیش نظر زہر آلود تیر مار کر شہید کر دیا۔

(طبقات ابن سعد، ج: 3،ص: 223، ج: 5، ص: 38،امام ابن الاثیر،الکامل ،ج:3،ص:124،امام ابن عبدالبر الاستیعاب،ج:1،ص:207-208،امام ابن کثیر،البدایہ والنہایہ،ج:7،ص:247)

امام ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

''ثقات میں اس بات پر کوئی اختلاف نہیں کہ مروان ہی حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا قاتل ہے حالانکہ مروان ان کی فوج میں شامل تھا۔''

امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ تہذیب التہذیب ج:5،ص:21-22، پر لکھتے ہیں:

''مروان نے طلحہ رضی اللہ عنہ کو قتل کیا اور کسی عالم کا اس میں اختلاف نہیں ہے۔''

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ میزان الاعتدال ج:4،ص:89،نمبر 8422 پر لکھتے ہیں:

''مروان ہی قاتل طلحہ رضی اللہ عنہ ہے۔''

امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''ولید بن عبدالملک نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے موسیٰ سے کہا میرے دادا مروان نے تیرے باپ طلحہ رضی اللہ عنہ کو قتل کر کے عثمان رضی اللہ عنہ کا بدلہ لے لیا تھا۔ قیس بن ابی حازم جو جنگ جمل میں موقعے پر موجود تھے کہتے ہیں کہ مروان جنگ جمل میں طلحہ رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا۔ جب جنگ عروج پر پہنچی تو میں مروان کے پاس تھا۔ اس وقت مروان نے کہا اگر آج میں نے عثمان رضی اللہ عنہ کا بدلہ نہ لیا تو پھر یہ وقت کبھی نہ آئے گا۔ پھر مروان نے زہر آلود تیر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو مارا جو ان کے گھٹنے میں لگا۔ اس سے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔ یہ روایت قیس ابن ابی حازم سے بسندِ متصل ہے اور مستدرک حاکم میں بھی ہے۔'' (ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ تہذیب التہذیب ج:5 ص:20 تا 22)

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے: "جس نے زمین پر چلتا پھرتا شہید دیکھنا ہو وہ طلحہ رضی اللہ عنہ بن عبید اللہ کو دیکھ لے۔"

(البانی :سلسله الاحادیث الصحیحه ، ج:1،حدیث :125)

مشہور اہل حدیث عالم نواب سید صدیق حسن خاں رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "هـــــدایة السائل الی ادلة المسائل" کے،ص: 510 پر لکھتے ہیں:

"مروان حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا قاتل ہے۔انہوں نے امام ذہبی،امام ابن حزم اور ابن حبان رحمۃ اللہ علیہم کی نہایت سخت رائے مروان کے خلاف نقل کی ہے وہ لکھتے ہیں کہ مروان کی طرف سے یہ عذر پیش کرنا کہ اس نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو تاویل کی بنا پر قتل کیا ہے تو یہ ایسی معذرت ہے جس کو پیش کر کے ہر گناہ گار کو بے گناہ قرار دیا جاسکتا ہے۔"

سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں: مروان ہی قاتل طلحہ رضی اللہ عنہ ہے۔(سیرت عائشہ رضی اللہ عنہا،ص: 130)

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا قول فیصل

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"مروان خبیث نے وہ کام کیئے جو اسے جہنم لے جانے کیلئے کافی ہیں۔"

(میزان الاعتدال،ج:4،ص:89،نمبر 8422)

مروان کی حکومت اور اس کا انجام

جب یزید مر گیا تو تمام سلطنت نے عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی بیعت کرلی۔صرف شام کا علاقہ باقی رہ گیا۔مروان اس وقت شام میں تھا۔اس نے تہیہ کرلیا کہ جا کر عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لے تا کہ امت کے لڑائی جھگڑے ختم ہو جائیں۔مگر عبید اللہ بن زیاد خبیث، حصین بن نمیر قاتل حسین اور عمرو بن سعید بن العاص نے اسے کہا ساری زندگی جنگیں لڑتے گزری اب ان لوگوں کی بیعت کرنے چلے ہو؟ پھر مروان نے اپنی بیعت لے لی اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھی ضحاک بن قیس رحمۃ اللہ علیہ سے جنگ لڑی وہ مارے گئے اور مروان

غالب آیا۔ پھر مروان نے مصر بھی چھین لیا۔ مروان کے بعد اس کے ظالم بیٹے عبدالملک نے مکہ کا محاصرہ کرلیا ابن زبیر رضی اللہ عنہ شہید کردیئے گئے اور ان کی لاش درخت پر لٹکا دی گئی۔ کوئی ایک کربلا ہو تو بتائیں! یہ سارا قصہ کتاب البدایہ والنہایہ، ج:8، ص: 260 میں مذکور ہے۔

ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حجاج نے حضرت اسماء سے کہا تیرا بیٹا منافق تھا۔ آج کہتے ہیں صحابہ رضی اللہ عنہم کو برا نہ کہو۔ دیکھو تمہارا ممدوح حجاج کس سے کیا کہہ رہا ہے؟

اس طرح مروان نے اپنا الو سیدھا کیا۔ جب حکومت قبضہ میں آ گئی تو یزید کے ماموں حسان بن مالک کلبی نے کہا حکومت خالد بن یزید کو دے دو۔ مروان نے یہ چالاکی کی کہ یزید کی بیوی اور خالد کی ماں کو اپنے نکاح میں لے آیا تا کہ خالد بن یزید بول ہی نہ سکے۔ ایک دن خالد کو مزید ذلیل کرنے کے لئے محفل میں کہا اے خالد اے نرم و نازک پیٹھ والی کے بیٹے! خالد نے اپنی ماں سے کہا اگر تو یہ کام نہ کرتی تو مجھے یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔ اس کی ماں نے کہا تو کسی سے یہ بات ذکر نہ کرنا۔ میں اس مروان کو درست کردوں گی۔ اس نے اپنی لونڈیوں کے ساتھ سازباز کر کے مروان کے قتل کی ٹھان لی۔

جب مروان گھر آیا تو اس نے خالد کی ماں سے پوچھا کہ خالد نے میرے بارے میں تیرے ساتھ کوئی بات تو نہیں کی؟ س نے کہا نہیں اور اسے مطمئن کردیا۔ جب رات کو مروان سویا تو وہ مروان کے سینہ پر سرہانہ رکھ کر خود اوپر بیٹھ گئی اور لونڈیاں بھی اوپر بیٹھ گئیں۔ اس طرح مروان خبیث مرا۔

مروان کی حکومت کے متعلق پیش گوئی تھی کہ بکری کی چھینک کے برابر یعنی بالکل تھوڑے دنوں کی ہوگی۔ اس نے صرف چھ ماہ حکومت کی۔ مروان نے یزید کے بیٹے کو حکومت دینے کی بجائے اپنے بیٹوں عبدالملک اور عبدالعزیز کے حق میں وصیت کردی۔

اندکے پیشِ تو گفتم و بدل تر سیدم
کہ تو آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

حضرت علی علیہ السلام کا دور

جناب ابوطالب کا اسلام پر احسان

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

''انہوں نے کہا جنھوں نے سب سے پہلے اسلام ظاہر کیا وہ سات اشخاص تھے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابو بکر، عمار رضی اللہ عنہما، سمیہ رضی اللہ عنہا، صہیب ، بلال اور مقداد رضی اللہ عنہم۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے کافروں سے محفوظ رکھا ان کے چچا ابوطالب کے سبب، اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ان کی قوم کے سبب سے، اور باقی لوگوں کو مشرکوں نے پکڑا اور لوہے کے کرتے پہنائے اور ان کو دھوپ میں پگھلا دیا۔ سو کوئی ان میں سے ایسا نہ تھا جس نے مشرکوں کے ارادہ کی موافقت نہ کی ہو۔(یعنی جو وہ کہلواتے کہہ دیا) مگر بلال کہ انہوں نے اپنی جان کو اللہ کی عظمت کے سامنے حقیر جانا۔ وہ اپنی قوم کے ہاتھوں ذلیل ہوئے۔ مشرکوں نے ان کو اپنے لڑکوں کے حوالے کر دیا تھا جو ان کو مکے کی گھاٹیوں میں لیے پھرتے تھے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ اس حالت میں بھی احد احد کہتے تھے۔''

(ابن ماجہ کتاب الایمان، باب فضائل اصحاب رضی اللہ عنہ رسول ؐ فضائل حضرت سلمان و ابوذر رضی اللہ عنہ، مقداد رضی اللہ عنہ حدیث:149)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جناب ابوطالب نے پالا تھا۔ بعض لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تایا زبیر ابن عبدالمطلب کا ذکر کرتے ہیں جو کہ غلط ہے۔ امام ابن اثیر نے اسد الغابہ جلد نمبر 15 پر

لکھا ہے کہ جب حضور ﷺ کی والدہ محترمہ اور دادا جناب عبدالمطلب وفات پا گئے تو کفالت جناب ابو طالب نے کی۔ جب جناب عبدالمطلب کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے اپنے تمام بیٹے بلا لیے اور ان کو وصیت کی۔ زبیر اور خواجہ ابو طالب جن کا اصل نام عبدمناف ہے، حضور ﷺ کے حقیقی چچا تھے اور جناب عبداللہ، تینوں کی والدہ محترمہ کا نام فاطمہ تھا۔ قرعہ خواجہ ابو طالب کے نام نکلا۔ انہوں نے آپ ﷺ کو لے لیا۔ بعض کہتے ہیں قرعہ اندازی نہیں ہوئی بلکہ خود حضور ﷺ کی مرضی پر انتخاب چھوڑ دیا گیا تھا اور انہوں نے ابوطالب کو چنا۔ کچھ کہتے کہ نہ قرعہ اندازی ہوئی نہ انتخاب ہوا بلکہ خود جناب عبدالمطلب نے ہی جناب ابو طالب کو کہہ دیا کہ تم اس کی پرورش کرنا۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ زبیر نے حضور ﷺ کو پالا۔ جب وہ فوت ہو گئے تو ابوطالب کی زیر کفالت آ گئے اور یہ غلط ہے۔ کیونکہ زبیر معاہدہ **حلف الفضول** میں موجود تھے اور اس وقت رسول کریم ﷺ کی عمر مبارک 20 سال سے زیادہ تھی اور آپ ﷺ اس معاہدہ میں شامل تھے۔ اس بات پر علماء کا اجماع ہے کہ عبدالمطلب کی موت کے بعد 5 سال کے اندر اندر آپ ﷺ نے جناب ابو طالب کے ساتھ شام کا سفر کیا جب کہ عمر پاک 12 سال تھی اور یہ بات اس کی دلیل ہے کہ پہلے دن سے ہی جناب ابو طالب نے آپ ﷺ کی کفالت کی۔ اس کفالت کی طرف سورہ والضحیٰ کی آیت نمبر 6 میں اشارہ ہے جس میں فرمایا کہ ہم نے آپ کو یتیم پایا پھر ٹھکانہ دیا۔

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ ''البدایہ والنہایہ'' ج:2 ص:226 پر لکھتے ہیں:

> ''رسول کریم ﷺ اپنے دادا جناب عبدالمطلب کے بعد اپنے چچا جناب ابو طالب کے پاس رہے کیونکہ جناب عبدالمطلب نے جناب ابو طالب کو اس کی وصیت کی تھی۔ اور یہ کہ وہ آپ ﷺ کے حقیقی چچا تھے۔ ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ جناب عبدالمطلب کے بعد جناب ابو طالب ہی آپ ﷺ کے تمام امور کے ذمہ دار رہے۔

امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری، ج:8، ص:194، حدیث:3887 کی شرح باب ھی قصہ ابو طالب کے نام سے باندھا ہے جس میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مکالمہ درج ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جناب ابوطالب کی خدمات کا ذکر فرمایا۔

پھر امام نے لکھا کہ عبدالمطلب نے موت کے وقت جناب ابوطالب کو ہی وصیت کی تھی کہ وہ پرورش کریں۔ انہوں نے جوان ہونے تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پرورش کی۔ جب اعلان نبوت فرمایا تب بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مدد کیلئے ابوطالب ڈٹے رہے حتیٰ کہ ان کو موت آ گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پرورش اور حفاظت کے بارے میں واقعات مشہور ہیں۔ پھر امام نے جناب ابوطالب کے مشہور اشعار میں سے دو شعر بھی لکھے جن کا ترجمہ یہ ہے:

اللہ کی قسم! وہ سب مل کر بھی تم تک نہیں پہنچ سکتے حتیٰ کہ ہم مٹی میں دفن نہ ہو جائیں۔ کعبہ کی قسم! تم لوگ جھوٹ بولتے ہو کہ ہاشمی تم کو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) دے دیں گے حتیٰ کہ جنگ لگ جائے اور پھر جو مارا جائے وہ مارا جائے۔"

ابوطالب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بازو بنے رہے اور اپنی قوم کے مقابلہ میں مددگار رہے۔ جب ابوطالب فوت ہو گئے تو پھر قریش نے من مرضی کے ظلم کئے جو ابوطالب کی زندگی میں سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ محمد بن اسحٰق ہشام بن عروہ سے روایت کرتے ہیں:

"میرے باپ عروہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ دکھ دیئے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم گھر میں بیٹھ گئے اور فرمایا قریش میرے ساتھ کوئی ناپسندیدہ کام نہ کر سکے حتیٰ کہ ابوطالب فوت ہو گئے۔"

ایک غلط فہمی کا ازالہ

شیعہ حضرات میں یہ بات کہی جاتی ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کے والد محترم کا نام عمران تھا اور ان کی اولاد آلِ عمران ہے۔ یہ بات بالکل بے ثبوت ہے۔ الکافی کی شرح مراۃ العقول میں باقر مجلسی نے بھی لکھا ہے:

''یہ بات بالکل غلط ہے بلکہ ان کا نام عبدمناف تھا اور بڑے بیٹے طالب کی وجہ سے ابو طالب کنیت تھی۔ ان کے نام عمران کے متعلق جتنی روایات ہیں وہ صحیح نہیں ہیں۔'' (مراۃ العقول ج:5،ص:234)

شانِ علی علیہ السلام

کسی عرب شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ آدمی کو اس کی لمبی عمر زندہ نہیں رکھتی بلکہ طول ثناء زندہ رکھتی ہے یعنی اس کی تعریف اسے ہمیشہ زندہ رکھتی ہے جو کہ لوگ اس کے مرنے کے بعد کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر:

(1) ''حسن علیہ السلام و حسین علیہ السلام جنت کے جوانوں کے سردار ہیں اور ان کا باپ ان سے بڑھ کر ہے۔''

(سلسلة الاحاديث الصحيحه، ج:2ص:428، حدیث:796)

(2) حضرت علی علیہ السلام سے دوستی رکھے گا صرف مومن اور بغض صرف منافق رکھے گا۔

(مسلم كتاب الايمان باب الدليل على ان حب الانصار و على من الايمان و علاماته)

(3) **من كنت مولاه فعلى مولاه** یعنی جس کا میں مولا ہوں اس کا علی علیہ السلام مولا ہے، کی اسناد بہت زیادہ اور صحیح ہیں۔

(امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ، فتح الباری، ج:7،ص:74)

علامہ ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث ''**من كنت مولاه**'' کے طرق کو ''**سلسلة الأحاديث الصحيحه**'' ج:4،ص:330 تا 344 میں جمع کیا ہے۔ ان پندرہ صفحوں میں انہوں نے بتایا: کس کس صحابی سے کس کس کتاب میں یہ حدیث آئی ہے، دس صحابہ یعنی حضرت زید بن ارقم، سعد بن ابی وقاص، بریدہ اسلمی، حضرت علی، ابو ایوب انصاری، براء بن عازب، عبداللہ بن عباس، انس بن مالک، ابو سعید خدری، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے یہ روایت مروی ہے۔ ساتھ ہی یہ دعا بھی فرمائی کہ اے اللہ جو علی سے محبت کرے تو اُس سے محبت رکھ اور جو اس سے عداوت کرے تو اس سے عداوت رکھ۔

البانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''یہ سب مجھے اس لیے لکھنا پڑا کہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ''منہاج السنہ'' میں اس حدیث کوضعیف قرار دے دیا، اور محبت والے ٹکڑے کو من گھڑت قرار دے دیا۔ یہ ان کے مبالغات میں سے ہے اور اور انہوں نے طرق جمع کئے بغیر حکم لگا دیا۔''

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اگر یہ حدیث صحیح نہیں تو پھر کوئی حدیث صحیح نہیں۔''

علامہ البانی نے ج:4،ص:361، سے آگے حدیث ثقلین کے طرق جمع کر کے بحث کی اور اس کو صحیح قرار دیا۔ فرمان رسالت ہے:

''علی علیہ السلام سے محبت خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت ہے اور ان سے بغض خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بغض ہے۔''

(سلسلة الاحاديث الصحيحه ج:3،ص:1299)

''جس نے علی علیہ السلام سے پیار کیا اس نے مجھ سے پیار کیا اور جس نے علی علیہ السلام سے بغض رکھا، اس نے مجھ سے بغض رکھا۔''

(صحيح الجامع الصغير ج:2،ص:596 اور سلسلة الاحاديث الصحيحه البانی ج:3،ص:1299)

''جو جس سے محبت رکھتا ہوگا قیامت کے دن اسی کے ساتھ ہوگا۔''

(بخاری كتاب المناقب باب مناقب عمر ابن الخطاب، كتاب الادب باب ماجاء في قول الرجل ويلك، كتاب لادب باب علامته حب الله عزوجل)

جنگ خیبر کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''کل میں جھنڈا اس کو دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ فتح دے گا۔ پھر دوسرے دن حضرت علی علیہ السلام کو جھنڈا دیا۔''

(بخاری كتاب المناقب باب مناقب علی ابن ابی طالب)

دوسری حدیث میں فرمایا:

''کل میں جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جس سے اللہ و رسول محبت کرتے ہیں یا یوں فرمایا جو اللہ اور رسول سے محبت رکھتا ہے۔'' (حوالہ ایضاً)

كتاب المغازی باب غزوه تبوك

حضرت براء بن عازب سے روایت ہے:

'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا علی تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں

(بخاری كتاب المغازی باب عمره القضاة)

حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے دشمنی سے منع فرمایا۔'' **(كتاب المغازی باب علی ابن ابی طالب)**

عمران ابن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''علی علیہ السلام مجھ سے ہیں میں علی علیہ السلام سے ہوں اور وہ دوست ہے ہر مومن کا میرے بعد

(ترمذی، ابواب المناقب باب مناقب علی ابن ابی طالب)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جس کا میں مولا ہوں اس کا علی علیہ السلام بھی مولا ہے۔'' (ترمذی ایضاً)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''علی علیہ السلام تم اس پر خوش نہیں ہو کہ تم میرے ساتھ ایسے ہی ہو جیسے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہارون علیہ السلام تھے مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں۔''

(حوالہ ایضاً، كتاب المغازی باب غزوه تبوك)

سب سے پہلے اسلام لانے والے اور نماز پڑھنے والے علی علیہ السلام ہیں۔ (ایضاً)

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

''اس اللہ کی قسم جس نے دانہ چیرا اور گھاس اُگائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے عہد کیا تھا کہ مجھ سے محبت صرف مومن رکھے گا اور بغض صرف منافق رکھے گا۔''

(مسلم كتاب الايمان باب بيان كفر من قال مطرنا بالنَّوءِ)

ناصبی حضرت علی علیہ السلام کی شان کم کرنے کے لئے یہ بھی کہتے ہیں:

''مرحب کو علی علیہ السلام نے نہیں بلکہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا، اس بارے میں ایک ناصبی نے حافظ مغرب امام یوسف بن ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ کی ''کتاب الاستیعاب کا جھوٹا حوالہ بھی دیا ہے جبکہ اصل صورت حال یہ ہے کہ امام ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ الاستیعاب کی ج:3، ص:434 نمبر 2372، محمد بن مسلمہ الحارثی رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ نامعلوم لوگ کہتے ہیں کہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے خیبر میں مرحب یہودی کو قتل کیا اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے قتل کیا، مگر صحیح بات جس پر سیرت لکھنے والے اور حدیث کے زیادہ عالم متفق ہیں وہ یہ ہے کہ وہ علی علیہ السلام تھے جنہوں نے خیبر میں مرحب یہودی کو قتل کیا۔''

امام ابن الاثیر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی بات لکھ کر ردّ کیا ہے کہ مرحب کو حضرت مسلمہ رضی اللہ عنہ یا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے قتل کیا بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے قتل کیا،

صحیح مسلم میں طویل حدیث میں سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ غزوہ خیبر کا بیان کرتے ہیں جس کے آخر میں فرمایا کہ علی علیہ السلام نے مرحب کے سر پر ایک ضرب لگائی اور وہ قتل ہو گیا پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ پر فتح دی۔ (کتاب الجهاد و السير باب غزوه ذی قرد وغيرها)

نسائی میں زِرّ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ علی علیہ السلام سے فرمایا تھا کہ تجھ سے محبت صرف مومن کرے گا اور بغض صرف منافق کرے گا۔ (کتاب الايمان و شرائعه باب علامة الايمان)

اہل بیت علیہم السلام کی محبت فرائض ایمان سے ہے نہ کہ لوازمِ سنت سے (شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی۔ فتاوی عزیزی کامل، ص: 380-381)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ تمام اہل سنت اس بارے میں پر متفق ہیں کہ کل اہل بیت کی محبت مسلمانوں مرد و عورت پر فرض و لازم ہے۔ بلکہ ارکان ایمان میں داخل (تحفۂ اثناء عشریہ ص:77)

محبت حضرت امیر رضی اللہ عنہ اور اہل بیعت علیہم السلام اور تعریف ان کی ثنا اور منقبت پڑھنا ان

بزرگواروں کی، بالاتفاق عبادت ہے، لیکن تمامی عبادت قبول ہونے کے واسطے ایمان شرط ہے۔ (تحفہ اثنا عشریہ ص: 732)

شیخ محمد بن احمد سفارینی رحمۃ اللہ علیہ نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے کہ میں نے اپنے والد حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت علی علیہ السلام اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں سوال کیا تو فرمانے لگے تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ علی علیہ السلام کے دشمن بہت تھے۔ انہوں نے علی علیہ السلام میں کوئی نقص نہ پایا تو یہ لوگ اس شخص کی طرف متوجہ ہوئے (امیر معاویہ کی طرف) جس نے علی علیہ السلام سے جنگ لڑی تھی اور ان دشمنان علی علیہ السلام نے امیر معاویہ کی تعریف بڑھا چڑھا کر پیش کی جو کہ حضرت علی علیہ السلام کے خلاف ایک چال تھی۔ (لوامع انوار البهيه ج:2، ص:339، فتح البارى، ج:7، ص:104)

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گھر آ کر اپنے نبی ہونے کا اعلان فرمایا تو سب سے پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ایمان لائیں، پھر حضرت علی علیہ السلام پھر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اطلاع ہوئی تو ایمان لائے۔

(سلسلة الاحاديث الصحيحه البانى، ج:7، ص:1732تا1734، حديث:4003 ترمذى ابواب المناقب باب مناقب على عليه السلام ابن ابى طالب)

مسلم اوّل شہِ مرداں علیؑ
عشق راسر مایۂ ایماں علیؑ

مسند احمد میں حدیث: 11292 حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا تمہیں مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارون علیہ السلام کو موسیٰ علیہ السلام سے تھی مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ حدیث نمبر 11839 میں ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے حضرت علی علیہ السلام کی شکایت کی تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ دیا اور فرمایا: ''لوگو! علی علیہ السلام کا شکوہ نہ کیا کرو۔ اللہ کی قسم! وہ اللہ کی راہ میں بڑا سخت آدمی ہے۔''

حضرت علی علیہ السلام کا انتخاب

بیعتِ علی علیہ السلام

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت علی علیہ السلام کے پاس جمع ہوئے اور ان سے بیعت کرنا چاہی، مگر آپ نے انکار کر دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے بعد حالات بہت بگڑ گئے تھے۔ حضرت علی علیہ السلام نے انکار اس لیے کیا کہ ان کے خیال میں لوگ عیش وعشرت کے عادی ہو چکے تھے اور ان کا واپس آنا بہت مشکل تھا۔ ان کا اندیشہ بعد میں سچ ثابت ہوا۔ لوگوں کی عادات بہت بدل چکی تھیں جن کا حال حضرت عمر رضی اللہ عنہ و عثمان رضی اللہ عنہ کے دور کے تحت ہم درج کر آئے ہیں۔

مگر لوگ تین دن تک لگاتار اصرار کرتے رہے۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا جب تک اہل شوریٰ اور اہل بدر مجھ پر اتفاق کا اظہار نہ کریں اس وقت تک میری خلافت منعقد نہیں ہوسکتی۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ میری بیعت خفیہ نہیں ہوسکتی، اس کیلئے مسلمانوں کی رضائے عام لازم ہے۔ (طبری، ج:3، ص:450)

پھر سب لوگوں کو مسجد نبوی میں جمع ہونے کا مشورہ دیا اور مہاجرین و انصار صحابہ کی اکثریت نے آپ سے بیعت خلافت کی۔

حضرت علی علیہ السلام کی باری پہلے کیوں نہ آئی؟

حضرت علی علیہ السلام کی باری اس لیے نہ آئی اور جب آئی تو ان کو چلنے نہ دیا گیا کیونکہ معاشرہ ان کے قابل نہ رہا تھا۔ حضرت علی علیہ السلام ان کے کسی کام کے نہ تھے۔ لوگ جس راہ پر چل پڑے تھے اس پر حضرت علی علیہ السلام جیسا خلیفہ ان کو درکار نہ تھا۔ حضرت علی علیہ السلام

کے بارے میں سب کو معلوم تھا کہ وہ اصولسے ادھر ادھر نہیں ہوتے۔ جو کچھ قرآن و سنت میں حکم ہیں، وہ ان پر کار بند رہے، چاہے حکومت رہے نہ رہے یا گورنر بگڑ جائیں۔لوگوں کو دنیاوی زندگی پیاری ہو چکی تھی۔حضور ﷺ کے بعد جلد ہی وہ وقت آ گیا جس کا آپ ﷺ کو خطرہ تھا۔

ایک گروہ ان لوگوں کا تھا جو نہیں چاہتے تھے کہ خلافت و نبوت بنو ہاشم میں اکٹھی ہو جائے۔صحیح بخاری میں حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے فضائل میں ہے کہ ایک سال حضرت عثمان کی نکسیر پھوٹی اور لوگ ان کی زندگی سے مایوس ہو گئے۔اس وقت مروان اور بنو امیہ کے دیگر افراد نے حضرت عثمان سے کہا اپنے بعد زبیر رضی اللہ عنہ بن عوام کو خلیفہ نامزد کر دیں تا کہ حضرت علی علیہ السلام کی خلافت کا امکان نہ رہے۔

(ابن حجر فتح الباری، ج:7، ص:79، حدیث:3717-3718اور مسند احمدحدیث نمبر 455-456، بخاری کتاب المناقب باب مناقب بن زبیر رضی اللہ عنہ بن عوام)

حضرت علی علیہ السلام کی سخت اصول پرستی کی وجہ سے لوگ ان کو زیادہ پسند نہیں کرتے تھے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا اگر علی علیہ السلام کو خلیفہ بنایا تو لوگ اختلاف کریں گے۔

(ابن حجر: فتح الباری، ج:7،ص:67)

لوگوں کی حالت میں تبدیلی کا واضح ثبوت حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے 40دن بعد فوت ہوئے اور حضرت علی علیہ السلام کی بیعت خود بھی کی اور اپنے بیٹوں کو ان کا ساتھ دینے کی وصیت کی۔(فتح الباری، ج:13،ص:40) صحیح بخاری میں ایک اور روایت میں وہ فرماتے ہیں کہ ایک زمانہ مجھ پر ایسا گذر چکا ہے جب میں کسی بھی شخص سے لین دین کا معاملہ کرلیا کرتا تھا۔اب آج کے دور میں (دورِ عثمان رضی اللہ عنہ) تو یہ حال ہے کہ میں کسی سے معاملہ ہی نہیں کرتا سوائے فلاں اور فلاں کے۔

(بخاری کتاب الرقاق باب رفع الامانة)

حضرت علی علیہ السلام کے راستے میں رکاوٹیں کیوں کھڑی ہوئیں؟

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سب مسلمانوں کو برابر وظیفہ دیتے رہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بار بار اصرار کے باوجود انہوں نے یہی طریقہ اختیار کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں مہاجر و سابقون الولون وغیرہ صحابہ کو انکی خدمات اسلام کے پیش نظر کم وبیش وظائف دینا شروع کر دیئے، جس کی وجہ سے بعض لوگ بہت امیر ہو گئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں وظائف کے فرق کے ساتھ ساتھ جاگیریں دینا بھی شروع کر دیں۔ اس وجہ سے مسلمانوں میں جاگیردار اور سرمایہ دار طبقے بہت پروان چڑھے اور غریب غریب تر ہو گئے۔ امیر لوگ عیش کے عادی ہو گئے اور طبقاتی تقسیم بڑھ گئی۔ اس تفضیل کا نتیجہ طبقاتی تفاوت کی شکل میں سامنے آیا۔

لوگوں کو معلوم تھا کہ علی علیہ السلام خلیفہ بنے تو یہ ہمیں واپس اسی راہ کی طرف لوٹا دیں گے جو ابو بکر رضی اللہ عنہ والی تھی لہٰذا مشکل ہو گی اور ہوا بھی یہی!

حضرت علی علیہ السلام نے خلیفہ منتخب ہونے کے بعد پہلی تقریر کرنے سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دستار مبارک سر پر رکھی، ان کی کمان پہنی اور فرمایا کہ اللہ نے ہم پر انعام کیا، ہم میں سے رسول بھیجا، اسلام جیسی دولت عطا فرمائی، اور ایمان نصیب کیا، بیت المال اگر میرا ذاتی مال بھی ہوتا تو سب میں برابر تقسیم کرتا مگر یہ تو ہے ہی مسلمانوں کا مشترکہ!

پھر خادم سے کہا تم رقم گنو۔ پھر فرمایا طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما اور اس غلام سب کو تین تین دینار دے دو۔ طلحہ، زبیر رضی اللہ عنہما نے یہ لینے سے انکار کر دیا اور بعد میں جنگ جمل کیلئے چل پڑے۔

ولید بن عقبہ بن ابی معیط نے کہا علی علیہ السلام تم نے جنگ بدر میں میرا باپ قتل کیا۔ پھر میرے چچا حکم بن عاص کا مذاق اڑایا تھا جب اسے جلاوطن کیا گیا اور اب غلاموں کے برابر 3 دینار مجھے دے رہے ہو؟ حضرت علی علیہ السلام نے کہا جو طریقہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کا تھا وہ برقرار رہے گا اور سب کو برابر ملے گا۔

یہ لوگ اسی وقت مسجد میں الگ ہو کر بیٹھ گئے۔ کوئی شام چلا گیا اور کوئی عراق چلا گیا۔ اس طرح حضرت علی علیہ السلام کی حکومت پہلے دن ہی سازشوں کا شکار ہو گئی اور انکے راستے میں رکاوٹیں ہی رکاوٹیں کھڑی ہو گئیں، اسی وجہ سے تین دن تک حضرت علی علیہ السلام خلیفہ بننے سے انکار کرتے رہے کہ لوگوں کو دولت کی عادت پڑ چکی ہے اور اسے ختم کرنا مشکل ہے۔ پانچوں فوجی کمانڈر بھی عثمان رضی اللہ عنہ کو اسی لیے حضرت علی علیہ السلام کے مقابلہ میں پسند کرتے تھے۔ انہی لوگوں نے بعد میں حضرت علی علیہ السلام کے خلاف جنگوں میں حصہ لیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ابن ماجہ نے روایت لکھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کفن دفن سے فارغ ہوتے ہی ہمیں پتہ چل گیا تھا کہ ہمارے دل دورِ نبوی والے نہیں رہے۔ ایک حدیث میں فرمایا گیا کہ سب سے بہتر دور میرا ہے پھر اس کے بعد والا پھر اس کے بعد والا اس کی تشریح عام طور پر علماء صدیوں کے لحاظ سے کرتے ہیں مگر شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی تشریح مختلف کی ہے اور وہ بات دل کو لگتی بھی ہے کہ سب سے بہترین دور دورِ نبوی پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ کا اور پھر عمر رضی اللہ عنہ کا دور، پھر حدیث کے مطابق جھوٹ پھیل گیا۔ امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ دورِ نبوی اور پہلے دو خلفاء کے بعد امانت کی جگہ خیانت آ گئی۔ (فتح الباری ج:13، ص:38)

متنازعہ گورنروں کی تبدیلی

حضرت علی علیہ السلام نے متنازعہ گورنر پہلے دن بدل دیئے، جب لوگوں نے کہا کہ ابھی ان لوگوں کو برقرار رہنے دیں، جب حکومت مضبوط ہو جائے پھر بدل دیں تو حضرت علی علیہ السلام نے کہا اگر یہ گورنر ایک دن بھی برقرار رہے تو غلط ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر یہی اعتراض تھا کہ یہ لوگ گورنر بننے کے لائق نہیں۔ فرمایا میں گمراہ کرنے والوں کو گورنر نہیں رکھ سکتا۔ ان کی جگہ انصار میں سے گورنر بنائے جن کا حق بڑی مدت سے مارا جا رہا تھا، حضرت سہل بن حنیف بدری انصاری کو شام کا گورنر بنا کر بھیجا، شام کی سرحد پر فوج نے روک لیا اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے چارج دینے سے انکار کر کے بغاوت کر دی۔

روزِ اوّل سے فتنوں کا آغاز

حضرت علی علیہ السلام نے خلیفہ منتخب ہوتے ہی متنازعہ گورنر بدل دیئے لیکن ان لوگوں کا ردّ عمل بہت سخت تھا۔ گورنر خراسان عبداللہ بن عامر، جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بھانجا تھا۔ بیت المال لوٹ کر مکہ بھاگ گیا، وہاں جا کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو قائل کیا اور حضرت علی علیہ السلام کے خلاف قصاص عثمان رضی اللہ عنہ کے بہانے بغاوت کر دی۔ اسی طرح یمن کے گورنر نے بھی سرکاری خزانہ لوٹا اور مکہ پہنچ گیا۔ ادھر مدینہ سے حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہ وظیفہ کی مساوی رقوم سے ناراض ہو کر مکہ چلے گئے اور وہاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مل کر قصاص عثمان رضی اللہ عنہ کے نام پر بغاوت کر دی۔ کوئی شام چلا گیا۔

یہاں پر ذرا رکئے اور غور کیجئے! جب امام حسین علیہ السلام پر تنقید کرنا مقصود ہو تو حدیث کا حوالہ دے دے کر کہتے ہیں کہ یزید چاہے زانی تھا، شرابی تھا مگر کلمہ گو تھا لہٰذا اس کے خلاف بغاوت اور خروج ناجائز تھا اور یہ کہ مسلمان حاکم کے خلاف نہیں اٹھنا چاہیے۔ ان لوگوں سے پوچھیں کیا علی علیہ السلام خلیفہ نہیں تھے؟ وہ تو زانی اور شرابی بھی نہیں تھے۔ پھر امیر معاویہ نے ان کے خلاف بغاوت کیوں کی؟ سیدنا علی علیہ السلام کے حق میں تو کسی کو حدیث یاد نہیں آتی کہ کلمہ گو حاکم ظالم بھی ہو تو بغاوت نہیں کر سکتے۔

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"خلیفہ برحق سیدنا علی علیہ السلام کو ایک دن بھی سکون سے حکومت کرنے کا موقعہ نہیں دیا گیا۔" (سیر اعلام النبلاء، ج:4، ص:71)

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"حضرت علی علیہ السلام کو اتنا بے بس کر دیا گیا کہ انہوں نے دعا کی "یا اللہ! مجھے ان لوگوں کے درمیان سے اٹھا لے۔" (البدایہ والنہایہ، ج:7، ص:355)

بعض اکابر صحابہ مثلاً حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہ نے نیک نیتی سے غیر جانبدار رہنے کا فیصلہ کیا لیکن جس فتنے سے وہ بچنا چاہتے تھے اس سے بہت بڑے

فتنے میں وہ بالواسطہ مددگار بن گئے۔ انہوں نے سیدنا علی علیہ السلام کی بیعت نہ کی اور ان کی علیحدگی نے عوام کے دلوں میں شک ڈالی۔ خلاف راشدہ کے نظام کو از سر نو بحال کرنے کے لیے جس دل جمعی کے ساتھ امت کو حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ تعاون کرنا چاہیے تھا وہ نہ حاصل نہ ہوسکا جبکہ اس تعاون کے بغیر آپ اس کام کو انجام نہ سکتے تھے۔

یہ الگ بات کہ وہ بزرگ بعد میں بہت پچھتائے، جیسا کہ آگے آرہا ہے، مگر اس وقت تک بہت دیر ہو چکی تھی۔

ان بزرگوں نے خود سیدنا علی علیہ السلام کا طرز عمل بھی سامنے نہ رکھا جو انہوں نے مشورہ و انتخاب خلیفہ میں ان کی شرکت نہ ہونے کا گلہ ہونے کے باوجود، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں اختیار کیا۔

مشہور شیعہ عالم علامہ باقر مجلسی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی لکھا ہے:

"حضرت علی علیہ السلام نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی تھی۔ اور اپنے ساتھیوں سے بھی ان کی بیعت کرنے کو کہا تھا۔

(مراۃ العقول ج:26،ص:188-191-213-331)

الکافی کی کتاب "الـــروضـــه" کے آخری حصہ علامہ طبرسی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "الاحتـــجـــاج" اور "نہج البلاغہ" کے مولف سیدرضی کے بھائی سید مرتضٰی کی کتاب "الشافی" سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

غیر جانبدار رہنے والے اکابر رضی اللہ عنہم کا اظہار ندامت

سورہ حجرات کی آیت نمبر 49 کے تحت ابن العربی اپنی تفسیر احکام القرآن میں لکھتے ہیں:

"حضرت علی علیہ السلام اور ان کے مخالفین کی جنگوں میں غیر جانبدار رہنے والے اکابر مثلاً حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بہت پچھتائے اور روئے۔"

(ج:1،ص:1707)

وہ لکھتے ہیں:

''جب امیر معاویہ کو تسلط حاصل ہو گیا تو لوگوں نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ
سے کہا نہ آپ صلح کرنے والوں میں شامل ہوئے نہ باغیوں سے لڑے تو
حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا میں باغیوں سے نہ لڑنے اور علی علیہ السلام کا ساتھ نہ
دینے پر شرمندہ ہوں۔ بعد میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا میں قرآن کی اس
آیت سے بہت شرمندہ ہوں، باغیوں سے لڑنا چاہیے تھا، غیر جانبداری
غلطی تھی۔'' (فتح الباری، ج:13، ص:72)

مشہور اہل حدیث عالم مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری ترمذی کی شرح تحفۃ
الاحوذی میں لکھتے ہین کہ سچے فریق کی مدد کرنا اور جھوٹے سے لڑنا ہی صحیح
مذہب ہے۔ (ج:2، ص:220)

یہ جو احادیث میں آیا ہے کہ میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے سے جنگ
لڑنے لگو، اور یہ کہ قاتل و مقتول دونوں دوزخی ہیں اور یہ کہ فتنہ کے زمانہ میں کھڑے سے
بیٹھا اور بیٹھے سے لیٹا بہتر ہے، تو اس بارے میں یہ جان لینا چاہیئے کہ یہ سب احکام دنیا کی
خاطر لڑنے والوں کے بارے میں ہیں، خاص طور پر ان جنگوں کے بارے میں ہیں جو قرب
قیامت میں ہوں گی۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے آخری زمانہ میں کہا:

''مجھے کسی بات پر اتنا افسوس نہیں ہے جتنا اس پر ہے کہ میں نے علی علیہ السلام کا
ساتھ کیوں نہ دیا۔''

(ابن سعد: طبقات، ج:4، ص:187، ابن عبدالبر: الاستیعاب ج:1، ص:30-37)

ابراہیم النخعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

''مسروق بن اجدع حضرت علی علیہ السلام کا ساتھ نہ دینے پر توبہ استغفار کیا
کرتے تھے۔'' (ابن عبدالبر: الاستیعاب، ج:1، ص:30)

''حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کو عمر بھر اس بات پر سخت ندامت رہی کہ

وہ حضرت علی علیہ السلام کے خلاف جنگ میں امیر معاویہ کے ساتھ کیوں شریک ہوئے تھے۔'' (الاستیعاب، ج:1 ص:371)

حضرت علی علیہ السلام کی اتنی مخالفت کیوں تھی؟

حضرت علی علیہ السلام سے لڑنے والوں اور امام حسین علیہ السلام کو شہید کرنے والوں کے شجرے دیکھو کہ وہ کن کی اولاد ہیں، ان کے بڑے کس کس جنگ میں قتل ہوئے اور کس نے قتل کیے؟ تو یہ بالکل واضح ہو جائے گا کہ یہ بعد کی پیداوار نہیں بلکہ دیرینہ دشمنی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ انصار رضی اللہ عنہم کا واقعہ حرہ میں برباد ہونا بھی سامنے رکھیں تو معلوم ہو جائے گا کہ پرانے بدلے لیے جا رہے ہیں۔

یزید پاگل نہیں تھا بلکہ اس نے بدر میں قتل ہونے والے اپنے بڑوں کا بدلہ امام حسین علیہ السلام سے لیا۔ انصار اور علی علیہ السلام کے حق میں اتنی تاکید اور انصار کو بار بار فرمانا کہ تمہاری حق تلفی ہوگی، تفصیل ابھی آگے آتی ہے، یہ سب اس لیے تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم تھا کفار کی اولاد کلمہ پڑھ چکی ہے مگر انہوں نے دشمنی نہیں بھلائی ہے۔ ان کے بڑے انصار و علی علیہ السلام کی تلوار سے قتل ہوئے، وہ یہ کیسے بھول سکتے؟ جنگ بدر کے مقتولین دیکھ لیں، ستر (70) میں سے چوبیس (24) حضرت علی کی تلوار سے قتل ہوئے۔ علی علیہ السلام کی تلوار ان لوگوں کے لئے مصیبت بن گئی۔ جن کے نانے دادے باپ اور بھائی علی علیہ السلام نے قتل کئے تھے، انہوں نے بدلہ تو لینا ہی تھا۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا بھائی حنظلہ اور نانا عتبہ جنگ بدر میں علی علیہ السلام نے قتل کئے، عقبہ بن ابی معیط جس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اوجھڑی ڈالی تھی وہ جنگ بدر میں حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں قتل ہوا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں اسی کا نصِ قرآن سے فاسق بیٹا ولید بن عقبہ گورنر بن گیا۔ اب علی علیہ السلام کی شامت تو آنی تھی اور علی علیہ السلام کے ہم نام بچوں کے قتل کا حکم دینا تھا اور جمعہ و عیدین کے خطبہ میں علی علیہ السلام پر لعنت تو کرنا تھی، مقتول بھائی اور نانا کس کو بھولتے ہیں؟

بنواُمیہ کی حضرت علی علیہ السلام سے نفرت

ابی رافع کہتے ہیں:

"مروان نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام گورنر مقرر کیا اور خود مکہ کو گیا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جمعہ کی نماز پڑھائی جس میں پہلی رکعت میں سورہ جمعہ اور دوسری میں سورہ منافقون پڑھی۔ نماز کے بعد میں نے ان سے کہا آپ نے وہ سورتیں پڑھیں جو علی علیہ السلام کوفہ میں پڑھتے تھے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سنا کہ وہ جمعہ کی نماز میں یہی سورتیں پڑھتے تھے۔" (مسلم کتاب الجمعه)

دیکھئے حضرت علی علیہ السلام کی دشمنی میں لوگ سنت بھی چھوڑ گئے تھے اور جب سنت کے مطابق جمعہ کی نماز پڑھائی گئی تو راوی کو کتنا عجیب لگا۔ اگر یہی سورتیں مروان نے بھی کبھی پڑھی ہوتیں تو یہ معمول کی بات تھی اور پوچھنے کی نوبت نہ آتی۔

تہذیب التہذیب میں امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

"بنوامیہ نے حکم دیا تھا کہ پورے ملک میں جس بچے کا نام علی ہو اس کو قتل کر دو۔ یہ نام رکھنے پر پابندی لگا دی گئی۔ (تہذیب التہذیب، ج:7، ص:319)

ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"بنوامیہ کے ڈر سے حدیث مرہلہ سناتے ہوئے عامر شعبی نے حضرت علی علیہ السلام کا نام تک نہ لیا۔" (ج:3 ص:383، حدیث:7177)

سبِّ علی علیہ السلام

شانِ علی علیہ السلام کے تحت جو احادیث ذکر ہوئیں ان میں کئی ایک میں فرمایا گیا کہ اے علی علیہ السلام تجھ سے محبت کرے گا صرف مومن اور بغض رکھے گا صرف منافق! اب ارشادِ نبوی کی صداقت ملاحظہ فرمائیں اور فیصلہ کریں کہ حضرت علی علیہ السلام کو گالیاں دینے والے اور

لعنت کرنے والے کس صف میں کھڑے ہیں۔ سیدنا علی علیہ السلام کی غیر موجودگی میں ان کو گالی دینا نہ صرف گالی بلکہ غیبت کو بھی شامل ہے۔

سیدنا علی علیہ السلام کا نام لے کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے کا خیال ہمارا تراشا ہوا نہیں بلکہ ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا فیصلہ ہے۔ ابو عبداللہ الجدلی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے مجھ سے کہا کیا تمہاری موجودگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالیاں دی جا رہی ہیں؟ میں نے کہا معاذ اللہ یا سبحان اللہ یا اسی طرح کے الفاظ کہے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا کہ ''جو علی کو گالی دیتا ہے وہ مجھے گالی دیتا ہے۔''

(مسند احمد حدیث: 27284 مسند النساء مرویات ام سلمہ، ج: 12، ص: 112)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا تمہارے منبروں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالیاں دی جاتی ہیں جب یہ کہا جاتا ہے کہ علی علیہ السلام اور ان سے محبت کرنے والوں پر لعنت۔ کیونکہ میں جانتی ہوں کہ حضور علیہ السلام سب سے زیادہ محبت علی علیہ السلام سے کرتے تھے۔

(البانی سلسلة الاحادیث الصحیحه، ج:7، صجز 2 حدیث 3332، مسند ابویعلیٰ ج:12، ص:444، 445، طبرانی فی المعجم الاوسط ج:6، ص:389 حدیث :5828، المعجم الصغیر، ج:2، ص:21، المعجم الکبیر، ج:23، ص:323، حدیث:738)

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''مروان گورنر مدینہ ہوتے ہوئے برسرِ منبر حضرت علی علیہ السلام پر لعنت کرتا تھا۔''

(البدایہ والنہایہ، ج:8، ص:91)

ایک مرتبہ مغیرہ بن شعبہ کوفہ کی جامع مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے دائیں بائیں اہل کوفہ بیٹھے ہوئے تھے۔ اتنے میں حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ

(حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بہنوئی اور عشرہ مبشرہ میں شامل) آ گئے۔ مغیرہ نے انہیں خوش آمدید کہا اور چار پائی کی پائنتی کے پاس بٹھالیا۔ کچھ دیر کے بعد ایک کوفی مغیرہ کے سامنے کھڑا ہوا اور کسی کو گالیاں دینے لگا۔ حضرت سعید نے پوچھا یہ کس کو گالیاں دے رہا ہے۔ مغیرہ نے کہا حضرت علی علیہ السلام کو، سعید بن زید نے تین مرتبہ مغیرہ کا نام لے کر پکارا اور کہا تیری موجودگی میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کو گالیاں دی جارہی ہیں اور تو ان کو منع نہیں کر رہا۔ میں گواہی دیتا ہوں اور میرے کانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا اور دل نے محفوظ رکھا اور کوئی جھوٹی بات ان سے روایت نہیں کرتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ابو بکر رضی اللہ عنہ جنت میں ہوں گے، عمر، علی، عثمان، طلحہ، زبیر، عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم اور سعد بن ابی وقاص، ابوعبیدہ ابن جرح رضی اللہ عنہما جنت میں ہوں گے اور ایک دسواں مومن بھی جنت میں ہوگا جس کا نام میں چاہوں تو بتا سکتا ہوں۔ اہل مسجد نے بآواز بلند انہیں قسم دے کر پوچھا کہ اے صحابی رسولؐ! وہ دسواں آدمی کون ہے؟ فرمایا تم مجھے اللہ کی قسم دے رہو، اللہ کا نام بہت بڑا ہے، وہ دسواں آدمی میں خود ہوں۔ اس کے بعد سعید بن زید رضی اللہ عنہ دائیں طرف چلے گئے اور فرمایا خدا کی قسم! وہ ایک جنگ جس میں کوئی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شریک ہوا اور اس میں اس کا چہرہ غبار آلود ہوا، وہ تمہارے ہر عمل سے افضل ہے اگرچہ تمہیں عمر نوح علیہ السلام ہی مل جائے۔

(مسند احمد، المختاره ضياء المقدسی، صحيح الجامع الصغير، ص 71:، ج 1:)

اس مضمون کی روایت مسند احمد میں نمبر: 1631-1637-1638-1644-1645 پر موجود ہیں۔ ابن خلدون اپنی تاریخ ج: 3،ص: 11 پر لکھتے ہیں کہ مغیرہ بن شعبہ کوفہ کی گورنری کے دور میں اکثر اپنی مجالس اور خطبوں میں علی علیہ السلام پر طعن وتعریض کیا کرتے تھے۔

مغیرہ بن شعبہ نے حضرت علی علیہ السلام پر لعنت کی تو زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر کہا تو علی علیہ السلام پر لعنت کر رہا ہے حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مردوں کو برا کہنے سے منع کیا ہے؟

(البانی سلسلة الاحادیث الصحیحه ج:5، ص :520 حدیث نمبر 2397)

ابن کثیر لکھتے ہیں:

''مغیرہ بن شعبہ کوفہ کے گورنر تھے تو وہ خطبہ جمعہ میں عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کی تعریف کرتے اور جب بھی علی علیہ السلام کا ذکر کرتے تو تنقیص کرتے۔ اس پر حجر بن عدی رضی اللہ عنہ غضبناک ہو کر احتجاج کرتے۔''

(البدایہ والنہایہ، ج:5،ص:50)

علامہ احمد محمد شاکر رحمۃ اللہ علیہ نے مسند کے اپنے محشیٰ نسخے کی ج:5،ص:108، پر ایسی تمام روایات کو صحیح قرار دیا ہے۔ ترمذی ابواب البرّو والصله باب ماجاء فی الشتم میں مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''مردوں کا گالی مت دو کیونکہ اس سے زندوں کو تکلیف ہوتی ہے۔'' جمعہ کے خطبہ میں سیدنا علی علیہ السلام کو گالیاں دی جاتی تھیں۔ پھر عمر بن عبدالعزیز نے اس کی جگہ آیت پڑھنا شروع کی ان الله یامر بالعدل

(ملا علی قاری حنفی مرقاۃ شرح مشکوۃ ج:3،ص:254)

امام حزم رحمۃ اللہ علیہ باوجود اموی ہونے کے لکھتے ہیں:

''علی علیہ السلام و ابن زبیر رضی اللہ عنہ پر لعنت کرنے والوں پر اللہ لعنت کرے۔''

(المحلیٰ، ج:5، ص 6)

بنوامیہ کے دور کا گورنر مکہ خالد بن عبداللہ القسر ی مکہ کے منبر سے خطبہ جمعہ میں علی علیہ السلام کو گالیاں دیتا تھا۔ (ابن حجر: تہذیب التہذیب، ج:13، ص:102)

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''وہ ظالم اور ناصبی (دشمن اہل بیت) تھا۔''

(میزان الاعتدال، ج:1، ص:633، نمبر:2436)

بنوامیہ نے حضرت علی علیہ السلام کو بدنام کرنے کے لئے یہ شگوفہ بھی چھوڑا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت حضرت علی علیہ السلام نے لگائی۔ بخاری میں ہے کہ ولید بن عبدالملک بن مروان نے امام ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ تجھے یہ خبر ملی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت حضرت علی علیہ السلام نے لگائی؟ زہری نے کہا نہیں! بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی تھیں کہ علی علیہ السلام ان کے بارے میں خاموش تھے۔ (بخاری کتاب المغازی باب حدیث الافک)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: ''مردوں کو برا نہ کہو انہوں نے اپنے کئے کا بدلہ پالیا۔''

(بخاری کتاب الرقاق باب سکرات الموت)

حضرت علی علیہ السلام کو گالی نہ دینے والے سے امیر معاویہ جواب طلبی کرتے تھے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

''معاویہ نے مجھے کہا کہ تم ابوتراب علیہ السلام کو گالیاں کیوں نہیں دیتے؟ سعد رضی اللہ عنہ نے کہا تین باتوں کی وجہ سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائیں میں علی علیہ السلام کو گالی نہیں دوں گا۔ اگر ان میں سے مجھے ایک بھی حاصل ہوتی تو مجھے سرخ اونٹوں سے زیادہ پسند ہے۔ میں نے سنا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اور آپ علیہ السلام نے کسی لڑائی پر جاتے وقت ان کو مدینہ میں بطور نائب چھوڑا۔ انہوں نے (علی علیہ السلام نے) کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ مجھے عورتوں اور بچوں کے ساتھ چھوڑے جاتے ہیں، فرمایا کیا تم اس بات سے راضی نہیں ہو کہ تمہارا درجہ میرے ساتھ ایسا ہے جیسا موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہارون علیہ السلام کا تھا مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ میں نے سنا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگ خیبر کے دن فرماتے تھے کہ کل میں جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جو اللہ و

رسول ﷺ سے محبت رکھتا ہو اور وہ دونوں اس سے محبت رکھتے ہیں۔ یہ سن کر ہم انتظار کرتے رہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا علی علیہ السلام کو بلاؤ، وہ آئے تو ان کی آنکھیں دکھتی تھیں۔ آپ ﷺ نے ان کی آنکھوں پر تھوک لگایا اور جھنڈا ان کو دیا، پھر اللہ تعالیٰ نے فتح دی ان کے ہاتھ پر اور جب یہ آیت (مباہلہ) اتری کہ بلاؤ اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کو تو آپ علیہ السلام نے بلایا حضرت علی علیہ السلام و فاطمہ علیہا السلام و حسن علیہ السلام و حسین علیہ السلام کو پھر فرمایا اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں۔

(مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل علی ابن ابی طالب ، ترمذی ابواب المناقب باب مناقب علی علیہ السلام ابن ابی طالب)

امام ابن کثیر البدایہ والنہایہ، ج:7، ص:341، پر لکھتے ہیں:

''ان باتوں کے بعد سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کہا آج کے بعد اے معاویہ میں تیرے گھر نہیں آوں گا اور چادر جھٹک کر باہر نکل گئے۔

بنو امیہ میں حضرت علی علیہ السلام کو گالی دینا شاید ثواب کا کام سمجھا جاتا تھا۔ سہل ابن سعد روایت کرتے ہیں:

''مدینہ میں ایک شخص مروان کی اولاد میں سے حاکم ہوا۔ اس نے سہل بن سعد کو بلایا اور حکم دیا حضرت علی علیہ السلام کو گالی دینے کا، سہل نے انکار کیا۔ وہ مروانی کہنے لگا اگر علی علیہ السلام کا نام لے کر گالی دینے سے انکار کرتا ہے تو تو کہہ اللہ کی لعنت ہو ابوتراب پر (اللہ ابوتراب پر رحمت کرے اور ان پر لعنت کرنے والوں پر بے شمار لعنت کرے)۔ سہل نے کہا حضرت علی علیہ السلام کو کوئی نام ابوتراب سے زیادہ پسند نہ تھا اور وہ خوش ہوتے تھے اس نام سے۔ مروانی کہنے لگا ابوتراب نام کا قصہ بیان کرو کہ ان کا نام ابوتراب کیوں ہوا۔ سہل نے کہا رسول اللہ ﷺ حضرت فاطمہ علیہا السلام کے گھر تشریف لائے تو

حضرت علی علیہ السلام کو گھر میں نہ پایا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا تیرے چچا کا بیٹا کہاں ہے۔ انہوں نے عرض کی مجھ میں علی علیہ السلام میں کچھ باتیں ہوئیں اور وہ مجھ سے ناراض ہو کر چلے گئے اور ہمارے پاس نہیں سوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک آدمی سے کہا دیکھ علی علیہ السلام کہاں ہے۔ وہ آیا اور عرض کی یا رسول اللہ ! وہ مسجد میں ہیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے۔ وہ لیٹے ہوئے تھے اور ان کی چادر ان کے پہلو سے الگ ہوگئی تھی اور ان کے بدن پر مٹی لگ گئی تھی۔ رسول اللہ نے وہ مٹی جھاڑنا شروع کی اور فرمایا اٹھ اے ابوتراب ! اٹھ اے ابوتراب !''

(صحیح مسلم کتاب الفضائل باب مناقب علی ابن ابی طالب)

امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''جتنی حدیثیں حضرت علی علیہ السلام کی شان میں بیان ہوئی ہیں اتنی کسی اور کی شان میں بیان نہیں ہوئیں کیونکہ بنوامیہ نے جب برسرِ منبر حضرت علی علیہ السلام پر لعنت کرنا شروع کر دی تو صحابہ نے ان کی شان بیان کرنا شروع کر دی۔''

(فتح الباری ، ج:7، ص:71)

امیر معاویہ کے حکم سے ان کے تمام گورنر، خطبوں میں برسر منبر حضرت علی علیہ السلام کو گالیاں دیتے تھے حتیٰ کہ مسجد نبوی میں منبر رسولؐ پر عین روضہ نبوی کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محبوب ترین عزیز علی علیہ السلام کو گالیاں دی جاتی تھیں اور حضرت علی علیہ السلام کی اولاد اور ان کے قریب ترین رشتہ دار اپنے کانوں سے یہ گالیاں سنتے تھے۔

(امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ تاریخ، ج:4، ص:188، امام ابن اثیر اسد الغابہ ، ج:3ص :234، ج:4،ص :154، امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ البدایہ والنھایہ ، ج:8،ص :84، ج:9،ص :80)

حضرت سعد بن ابی وقاص کے یہ الفاظ مسند ابویعلیٰ کے حوالہ سے امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ

نے فتح الباری میں نقل کئے ہیں:

''اگر میرے سر پر آری رکھ کر مجھے علی علیہ السلام کو گالی دینے کا کہا جائے تب بھی میں ان کو گالی نہیں دوں گا۔''

احادیث میں اس سلسلہ میں لفظ سَبّ آتا ہے۔ اس لفظ کے متعلق حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھے گئے سوال کے جواب میں وہ لکھتے ہیں ''بہتر یہی ہے کہ اس لفظ سے اس کا ظاہری معنیٰ (گالی) سمجھا جائے۔ غایۃ الامر اس کا یہ ہوگا کہ ارتکاب اس فعل قبیح کا یعنی سَبّ یا حکم سَبّ حضرت معاویہ سے صادر ہونا لازم آئے گا تو یہ کوئی اول امر قبیح نہیں ہے جو اسلام میں ہوا ہے۔ اس واسطے کہ درجہ سَبّ کا قتل وقتال سے بہت کم ہے۔ چنانچہ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ سباب المومن فسوق وقتالہ کفر یعنی برا کہنا مومن کو فسق ہے اور اس کے ساتھ قتال کرنا کفر ہے اور جب قتال اور حکم قتال کا صادر ہونا یقینی ہے، اس سے چارہ نہیں، تو بہتر یہی ہے کہ ان کو مرتکب کبیرہ کا جاننا چاہیے لیکن زبان طعن ولعن بند رکھنا چاہیے۔ اسی طور سے کہنا چاہیے جیسا صحابہ سے ان کی شان میں کہا جاتا ہے جس سے زنا اور شرب خمر سرزد ہوا رضی اللہ عنہم اجمعین اور ہر جگہ خطاء اجتہادی کو دخل دینا بے باکی سے خالی نہیں۔'' (فتاویٰ عزیزی مترجم، ص:413)

بسر بن ابی ارطاط نے بصرے کے منبر پر خطبے کے دوران حضرت علی علیہ السلام پر سَبّ وشتم کیا۔ (طبری ج:4، ص:128، ابن اثیر: الکامل، ج:3، ص:307)

حضرت علی علیہ السلام کو گالی دینے اور ان پر لعنت کرنے کا سلسلہ آپ علیہ السلام کی شہادت کے بعد بھی امیر معاویہ اور ان کے بعد تک جاری رہا۔ صلح حسن میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ حضرت علی علیہ السلام پر لعنت اور گالی دینے کا سلسلہ بند کر دیا جائے گا مگر ایسا نہیں ہوا۔

امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''یہ کام بعد میں حضرت حسن علیہ السلام کے سامنے بھی ہوتا رہا جبکہ شرط یہ تھی کہ ان کے سامنے ایسا نہیں ہوگا۔'' (ج:4،ص:122)

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے العبر (ج:1،ص:48) پر ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے البدایہ والنہایہ، ج:8،ص:14 پر یہی لکھا ہے۔ ابن اثیر نے الکامل میں لکھا ہے کہ امیر معاویہ نے صلح میں یہ شرط مان تو لی مگر پوری نہ کی۔ (ج:3ص:203)

امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری کتاب المناقب، باب مناقب علی ابن ابی طالب میں لکھتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام سے جنگ لڑنے والوں (بنو امیہ) نے منبروں پر حضرت علی علیہ السلام پر لعنت کرنے اور عیب جوئی کو اپنا طریقہ بنالیا جبکہ خوارج نے حضرت علی علیہ السلام سے بغض کی وجہ سے ان کی ہمنوائی کی۔

مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا:

''شاہ اسماعیل شہید نے لکھنو میں شیعہ سبحان خاں سے پوچھا کیا حضرت علی علیہ السلام کے دربار میں امیر معاویہ پر تبرّا ہوتا تھا؟ اس نے کہا نہیں، حضرت علی علیہ السلام کا دربار ہجو گوئی سے پاک تھا۔ پھر پوچھا کیا امیر معاویہ کے یہاں حضرت علی علیہ السلام پر تبرّا ہوتا تھا؟ کہا بے شک ہوتا تھا۔ اس پر مولانا شہید نے فرمایا اہل سنت الحمدللہ حضرت علی علیہ السلام کے مقلد ہیں اور روافض حضرت معاویہ کے۔'' (حکایات اولیاء ص:124)

مولانا شاہ معین الدین ندوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں برسر منبر حضرت علی علیہ السلام پر سَب وشتم کی مذموم رسم جاری کی تھی اور ان کے تمام عمال اس رسم کو ادا کرتے تھے۔''

(تاریخ اسلام ج:1 طبع پنجم، ص:13)

مشہور مصری عالم اور جامعہ الازھر کے استاد محمد ابوزہرہ اپنی کتاب ''تاریخ المذاہب اسلامیہ'' ج:1 ص:38، پر لکھتے ہیں:

"بنوامیہ کا عہد حضرت علی علیہ السلام کی قدر ومنزلت اور تعظیم وتکریم میں مزید اضافہ کا باعث ہوا کیونکہ امیر معاویہ نے اپنے زمانہ میں ایک بری سنت قائم کی جوان کے بعد ان کے جانشینوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے عہد تک جاری رکھی۔ وہ سنت یہ تھی کہ امام ہدیٰ علی علیہ السلام ابن ابی طالب پر خطبہ جمعہ کے آخر میں لعنت کی جاتی تھی۔ باقی صحابہ نے اس پر نکیر کی (برا مانا) اور امیر معاویہ اور ان کے گورنروں کو اس سے منع کیا۔ حتیٰ کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے امیر معاویہ کی طرف خط لکھا جس میں اس فعل سے باز رہنے کو کہا اور اس میں لکھا کہ تم لوگ اللہ اور اس کے رسول پر برسر منبر طعن کرتے ہو اور یہ اس طرح کہ علی علیہ السلام ابن ابی طالب پر اور ان سے محبت کرنے والوں پر لعنت کرتے ہو اور میں اس بات کی گواہی دیتی ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت علی علیہ السلام محبوب تھے۔"

مشہور مؤرخ ابوالفداء عماد الدین اسماعیل شافعی رحمۃ اللہ علیہ (م 732) جو حماۃ (شام) کے گورنر تھے اور الملک المؤید کے لقب سے معروف تھے، وہ اپنی تاریخ المختصر فی اخبار البشر میں امیر معاویہ کے حالات میں لکھتے ہیں: "معاویہ اور ان کے گورنر جمعہ کے خطبہ میں حضرت علی علیہ السلام کے حق میں بدعا کرتے تھے اور حضرت علی علیہ السلام کو گالیاں دیتے اور ان کی بدگوئی کرتے تھے۔"

(ج:2 ص:98-99)

وہ صفحہ 120 پر لکھتے ہیں کہ بنوامیہ نے 41ھ سے حضرت علی علیہ السلام کو گالی دینے کا آغاز کیا اور یہ وہ سال ہے جب حضرت حسن علیہ السلام خلافت سے دستبردار ہوئے یہ سلسلہ 99ھ کے شروع تک جاری رہا جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے تو انہوں نے اس کا خاتمہ کیا۔

امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ اندلسی جوامع السیرۃ کے ساتھ ملحقہ رسالہ اسماء الخلفاء والولاۃ میں بنوعباس کا ذکر کرتے ہوئے پہلے ان کی مذمت کرتے ہیں، پھر

فرماتے ہیں:

"بنوعباس نے صحابہ میں سے کسی پر علانیہ سَبّ وشتم نہیں کیا۔اس کے برعکس بنوامیہ نے ایسے گورنر مقرر کیے جو علی علیہ السلام ابن ابی طالب اور آپ کی پاک اولاد (اولاد فاطمۃ الزہرا علیہا السلام) پر لعنت کرتے (اللہ ان لعنت کرنے والوں پر لعنت کرے اور فاطمہ علیہا السلام وعلی علیہ السلام پر رحمت کرے) ان سب کا یہی حال تھا۔سوائے عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اور یزید بن ولید کے، ان دونوں نے اس لعن طعن کی اجازت نہیں دی۔"

(جوامع السیرۃ۔ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ مع تحقیق ومراجعت احمد محمد شاکر ص:366)

مشہور مصری عالم ڈاکٹر عمر فرّوخ اپنی کتاب سیرت حضرت عمر بن عبدالعزیز بنام الخلیفہ الزاہد میں ایک مستقل باب بدعت معاویہ کے زیرِ عنوان لکھتے ہیں:

"عہد بنی امیہ میں ایک بدعت دیار و امصار میں رائج ہوئی۔ یہ ایک شرمناک بدعت تھی جس نے سر اٹھایا اور چارسو پھیل گئی حتیٰ کہ اس نے ہر منبر کو پامال کیا اور ہر شخص کی سمع خراشی کی۔ یہ بدعت مسجد نبوی منبر رسولؐ پر بھی اہل بیت علیہم السلام پر حملہ آور ہونے سے بھی باز نہ رہ سکی۔اس کا آغاز امیر معاویہ نے کیا تھا اور اپنے گورنروں کے نام حکم جاری کیا تھا کہ وہ اسے جمعہ کے خطبوں میں مستقل طور پر اختیار کریں۔"

مصنف نے تین صفحوں میں اس بدعت کا بیان کیا اور لکھا کہ معاویہ کا گمان یہ تھا کہ اس طرح ان کی سلطنت مضبوط ہوگی اور اہل بیت علیہم السلام کی عظمت وعقیدت ختم ہوگی مگر امیر معاویہ کا یہ خیال غلط ثابت ہوا اور انہوں نے اس بردباری سے تجاوز کیا جس کی وہ شہرت رکھتے تھے۔اس بدعت کا نتیجہ ان کے گمان اور رائے کے خلاف نکلا۔

شیخ محمد بن احمد سفار ینی الحنبلی لکھتے ہیں:

"جب بنوامیہ نے منبروں پر حضرت علی علیہ السلام کو گالیاں دینے اور ان کی

تنقیص کرنے کی مہم چلائی اور خارجیوں نے ان کی ہم نوائی کی۔ اس وقت محدثین نے مناقب علی علیہ السلام کی احادیث کو کھول کھول کر بیان کیا اور حمایت حق کا سامان فراہم کیا۔"

(لوامع الانوار البھیة و سواطع الاسرار الا ثریہ، ص:339)

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ الخلفاء میں اور ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ مکی نے تطہیر الجنان، ص:153 پر لکھا ہے:

"مروان خطبہ جمعہ میں حضرت علی علیہ السلام و اہل بیت کو گالیاں دیتا تھا اور اس کی اس حرکت سے تنگ آ کر سیدنا حسن علیہ السلام مسجد میں اس وقت تشریف لاتے جب اقامت ہو رہی ہوتی تھی اور پہلے تشریف نہ لاتے۔ آخر مروان نے ایک قاصد کو بھیج کر سیدنا حسن علیہ السلام کو گالیاں دیں جس میں دیگر گالیوں کے علاوہ یہ بھی کہا کہ (نعوذ باللہ) تیری مثال خچر کی سی ہے جس سے پوچھا جائے کہ تیرا باپ کون ہے تو وہ کہے میری ماں گھوڑی ہے۔"

اس طرح مردود ابن مردود (بقول شاہ عبدالعزیز دہلوی) اور ملعون ابن ملعون اور وَزُغ ابن وَزُغ (گرگٹ ابن گرگٹ، یہ آخری دونوں القاب مروان اور اس کے باپ کو بارگاہ نبوی سے عطا ہوئے) نے اس بات میں (نقل کفر کفر نہ باشد) حضرت حسن علیہ السلام کو خچر سے، جنت کی عورتوں کی سردار حضرت فاطمہ علیہا السلام کو گھوڑی سے اور حضرت علی علیہ السلام کو نعوذ باللہ گدھے سے تشبیہ دی۔ اس روایت کے رجال کو ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ثقہ قرار دیا ہے۔
ابن حجر مکی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

"بزار کی روایت میں ہے کہ اللہ کی حکم اور اس کے بیٹے پر لعنت لسان نبوی کے ذریعہ اور ثقہ روایوں سے ثابت ہے۔ یہ بھی مروی ہے کہ جب مروان کو مدینہ کا گورنر بنایا گیا تو وہ منبر پر ہر جمعہ کے خطبہ میں حضرت علی علیہ السلام کو گالیاں دیتا اور لعنت کرتا تھا۔ پھر اس کے بعد سعید بن عاص کو گورنر بنایا گیا

تو گالیاں نہیں دیتا تھا۔ پھر مروان کو دوبارہ گورنر بنایا گیا تو اس نے پھر وہی لعنت کمانا شروع کردی۔ پھر قاصد بھیج کر حضرت حسن علیہ السلام کو علاوہ دوسری گالیوں کے مندرجہ بالا بات کہلوائی تو حضرت حسن نے جواب دیا تو اس کے پاس جا اور کہہ دے خدا کی قسم میں تجھے گالی دے کر تیرا گناہ ہلکا نہیں کرنا چاہتا۔ میری اور تیری ملاقات اللہ کے ہاں ہوگی۔ اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ سزا دینے میں بہت سخت ہے اللہ نے میرے نانا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جو شرف بخشا ہے وہ اس سے بلند و برتر ہے کہ میری مثال خچر کی سی ہو۔ قاصد باہر نکلا تو اس کی ملاقات حضرت امام حسین علیہ السلام سے ہوگئی قاصد نے ان کو بھی گالیوں کے متعلق بتایا۔ سیدنا حسین علیہ السلام نے اس کو سخت الفاظ میں پابند کیا کہ وہ ان کا جواب ضرور مروان کو جا کر دے اور پھر فرمایا اے مروان تو ذرا اپنے باپ اور اس کی قوم کی حیثیت پر غور کر تیرا مجھ سے کیا سروکار، تو اپنے کندھے پر اپنے اس لڑکے کو اُٹھاتا ہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے لعنت کی ہے۔ اور عمدہ سند کے ساتھ یہ بھی مروی ہے کہ مروان نے عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ سے کہا تو وہ ہے جس کے بارے میں قرآن کی یہ آیت اتری ''جس نے اپنے والدین سے کہا کہ تم پر اف ہے تو عبدالرحمٰن کہنے لگے تو نے جھوٹ کہا بلکہ رسول اللہ نے تیرے باپ پر لعنت کی تھی۔''

لعنت کرنے اور گالیاں دینے کا کام امیر معاویہ کی نہ صرف رضامندی بلکہ حکم سے ہوتا تھا۔ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ سعید بن عاص کو معاویہ نے دو مرتبہ مدینے کا گورنر بنایا اور دونوں مرتبہ مروان کے کہنے پر معزول کر دیا یہ سعید بن العاص، علی علیہ السلام کو گالیاں نہیں دیتا اور ان پر لعنت نہیں کرتا تھا اور مروان یہ کام کرتا تھا۔'' (البدایہ والنہایہ ج:8، ص:84)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جو گورنر حضرت علی علیہ السلام پر لعنت نہیں کرتا تھا۔ وہ بدل دیا جاتا اور اس کو گورنر بنا دیا جاتا جو یہ لعنت کماتا۔

سعید بن العاص کے بارے میں ابن کثیر کا واضح طور پر لکھتا:

وہ حضرت علی علیہ السلام کو گالیاں نہیں دیتے تھے۔اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ کام گورنروں کے فرائض میں امیر معاویہ نے داخل کر دیا تھا۔ یہ سعید بن العاص بنوامیہ کے گھرانے کے فرد اور عثمان رضی اللہ عنہ کے ربیب (پچھلگ) ہونے کے باوجود جنگ جمل و حنین میں غیر جانبدار رہے۔ ان کے بارے میں ابن کثیر نے یہ وضاحت دینا ضروری سمجھی کہ وہ حضرت علی علیہ السلام کو گالی نہیں دیتے تھے اور اسی وجہ سے دو مرتبہ گورنری سے فارغ کئے گئے۔

دوسری طرف سیدنا علی علیہ السلام کے علم میں جب یہ بات آئی کہ ان کے ساتھی حضرت حجر بن عدی رضی اللہ عنہ اہل شام کی بدگوئی کر رہے ہیں تو انہوں نے پیغام بھیج کر ان کو باز رہنے کی ہدایت کی۔ انہوں نے پوچھا کیا ہم حق پر نہیں۔ فرمایا ہاں مگر میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ تم لعن وطعن کرو۔

(ابو حنیفہ دینوری، اخبار الطوال، ص:165)

مشہور مؤرخ احمد بن یحییٰ البلاذری اپنی کتاب ''انساب الاشراف'' میں لکھتے ہیں:

''معاویہ نے بسر بن ارطاۃ کو بصرہ بھیجا تا کہ وہ ان کے مخالفین کو قتل کرے اور معاویہ کی بیعت کرنے والوں کو زندہ رہنے دے۔ جب بسر بصرہ پہنچا تو خطبہ دیا اور منبر پر چڑھ کر حضرت علی علیہ السلام کا برے الفاظ میں ذکر کیا اور بدگوئی اور تنقیص کی (عیب جوئی) پھر کہنے لگا لوگو! تمہیں خدا کی قسم کیا میں نے سچ کہا؟ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا تم بہت بڑی ذات کی قسم دے رہے ہو، خدا کی قسم تم نے نہ سچ کہا، نہ نیکی کا کام کیا۔ بسر بن ابی ارطاۃ نے حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کو مارنے کا حکم دیا حتیٰ کہ وہ مار سے بے ہوش ہو گئے۔

(انساب الاشراف، ج:1 ص:492)

احترام صحابہ کے علم بردار حضرت سے ایک سوال کیا، حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ صحابی نہ تھے

اور کیا دشمن خدا و مخلوق خدا بسر بن ابی ارطاۃ کا بھی احترام لازم ہے؟

امام ابن کثیر لکھتے ہیں:

''بنوامیہ کے بعض افراد علی علیہ السلام کی کنیت ابوتراب کی وجہ سے آپ کی عیب چینی کرتے تھے حالانکہ یہ کنیت انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عطا فرمائی تھی جیسا کہ صحیحین سے ثابت ہے۔''

(البدایہ والنہایہ، ج:7،ص:366)

ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''جب اختلاف رونما ہوا اور حضرت علی علیہ السلام کے خلاف خروج کیا گیا تو حضرت علی علیہ السلام کے فضائل جن صحابہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنے تھے، انہوں نے امت کی خیر خواہی کیلئے ان فضائل کی نشر و اشاعت شروع کی۔ پھر جب حضرت علی علیہ السلام کی مخالفت کی مہم زور پکڑ گئی اور بنوامیہ کے ایک گروہ نے منبروں پر ان کی تنقیص اور گالیاں دینے کو اپنا مشغلہ بنالیا اور خوارج نے بھی (اللہ ان پر لعنت کرے) ان مخالفین کا ساتھ دیا بلکہ حضرت علی علیہ السلام کی تکفیر تک کر ڈالی، تو اہل سنت کے بڑے بڑے ناقدین حدیث، جنہیں احادیث نبوی حفظ تھیں، انہوں نے حضرت علی علیہ السلام کے فضائل و مناقب میں مروی حدیثوں کو پھیلایا یہاں تک کہ امت میں ان کی کثیر تعداد کا چرچا ہو گیا۔ اور نصرت حق کا تقاضا پورا ہو گیا۔'' (تطہیر الجنان، ص:74)

مولانا شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیباچے (فن روایت) میں فرماتے ہیں:

''فن تاریخ و روایت پر جو خارجی اسباب اثر کرتے ہیں، ان میں سب سے بڑا قوی اثر حکومت کا ہوتا ہے لیکن مسلمانوں کو ہمیشہ اس فخر کا موقع حاصل رہے گا کہ ان کا قلم تلوار سے نہیں دبا۔ حدیثوں کی تدوین بنوامیہ کے زمانہ میں ہوئی ہے جنہوں نے پورے نوّے (90) برس تک سندھ سے ایشیائے

کوچک اور اندلس تک مساجد میں آل فاطمہؑ کی توہین کی، جمعہ میں برسرِ منبر حضرت علی علیہ السلام پر لعن کہلوایا، سینکڑوں حدیثیں امیر معاویہ وغیرہ کے فضائل میں بنوائیں۔ عباسیوں کے زمانے میں ایک ایک خلیفہ کے نام بنام پیشین گوئیاں حدیثوں میں داخل ہوئیں۔ لیکن نتیجہ کیا ہوا، عین اسی زمانے میں محدثین نے علانیہ منادی کردی کہ یہ سب روایتیں جھوٹی ہیں۔ آج حدیث کا فن اس خس وخاشاک سے پاک ہے اور بنوامیہ اور عباسیہ جو ظل اللہ اور جانشین پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنے بیٹھے تھے، آج اسی مقام پر نظر آتے ہیں جہاں انہیں ہونا چاہیے تھا۔'' (سیرت النبیؐ ج:1 ص:66-67)

قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی تاریخ ملت میں لکھتے ہیں:

''عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی اصلاحات کے سلسلہ میں سب سے بڑی اصلاح جو ان کے نامۂ اعمال میں سنہری حروف سے ثبت ہے، حضرت علی علیہ السلام کی شان میں بدگوئی کا انسداد ہے، عرصہ سے یہ دستور چلا آرہا تھا کہ خلفاء بنوامیہ اور ان کے عمال خطبوں میں حضرت علی علیہ السلام پر طعن کیا کرتے تھے...... مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو آپ نے عمال کے نام حکم جاری فرمایا کہ خطبوں سے حضرت علی علیہ السلام پر لعن طعن کو خارج کردیا جائے اور اس کی بجائے یہ آیت کریمہ پڑھی جائے ''ان اللہ یامر بالعدل و الاحسان .... لعلکم تذکرون (تاریخ ملت حصہ سوم ص:264)

مولانا معین الدین ندوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''امیر معاویہ نے اپنے زمانہ میں برسرِ منبر حضرت علی علیہ السلام پر سَبّ وشتم کی مذموم رسم جاری کی تھی اور ان کے تمام عمال اس رسم کو ادا کرتے تھے۔ مغیرہ بن شعبہ بڑی خوبیوں کے بزرگ تھے لیکن امیر معاویہ کی تقلید میں یہ بھی اس مذموم بدعت سے نہ بچ سکے۔ (تاریخ اسلام حصہ اوّل ودوم، ص:13-14)

سَبّ علی علیہ السلام کیوں؟

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''امام علی بن حسین علیہ السلام، زین العابدین نے مروان سے بات کی کہ حسن علیہ السلام حکومت چھوڑ چکے، اب تم حضرات جمعہ اور عید کے خطبہ میں علی علیہ السلام پر لعنت کیوں کرتے ہو؟ تو مروان نے کہا! عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل سے بچانے کی جتنی کوشش آپ کے دادا علی نے کی، کسی اور نے نہیں کی۔ امام نے پوچھا پھر منبروں پر گالیاں کیوں دیتے ہو؟ مروان نے کہا، ہماری حکومت کی مضبوطی و استحکام اس کے بغیر نہیں ہوسکتی۔ (تاریخ (خلفاء راشدین) امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ، ص: 175)

تاویل قرآن پر جنگ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو آئندہ پیش آنے والے دو خطرات کا وحی کے ذریعے پیشگی علم دے دیا گیا تھا جن کی بنا پر بعد میں حضرت علی علیہ السلام کو بڑھاپے میں تلوار اٹھانا پڑی اور نواسہ رسول علیہ السلام کو میدان میں آنا پڑا۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

''لوگو! تم میں سے ایک ایسا آدمی ہے جو قرآن کی تاویل پر اس طرح جنگ کرے گا جس طرح میں نے قران کی تنزیل پر جنگ کی ہے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی وہ میں ہوں؟ فرمایا نہیں! عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی وہ میں ہوں؟ فرمایا نہیں۔ فرمایا وہ جو جوتا گانٹھ رہا ہے وہ! علی رضی اللہ عنہ کو بتانے کیلئے گئے تو وہ ہنس رہے تھے جس سے صحابی کو معلوم ہوا کہ انہوں نے سن لیا ہے۔''

(البانی سلسلة الاحاديث الصحيحه، ج:5، ص:539-543، حدیث:2487، مجمع الزوائد، ج:9، ص:136) (مسند احمد روایت نمبر 11795 اور 11278)

قرآن کی تنزیل پر جنگ یہ تھی کہ لوگ اس کے نازل ہونے کو نہیں مانتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو کفار سے جنگ لڑنا پڑی کہ ان کو کلمہ پڑھایا جاسکے۔ تاویل پر جنگ یہ تھی کہ

بظاہر کلمہ گو ہوں گے مگر قرآن کی غلط تشریح کر کے دین کا بیڑہ غرق کر رہے ہوں گے۔

حضرت علی علیہ السلام باغیوں سے جنگ میں امت کے قدوہ ہیں

احادیث مبارکہ میں دو شخصیات کے بارے میں فرمان رسالت ہے کہ میں ان سے ہوں وہ مجھ سے ہیں۔ سیدنا علی علیہ السلام اور سیدنا حسین علیہ السلام کے بارے میں ابن ماجہ وترمذی میں یہ حدیث آتی ہے۔ بعض دوسرے صحابہ کے بارے میں بھی یہ الفاظ آتے ہیں۔

عربی زبان میں یہ الفاظ بالکل یک جان ہونے کیلئے استعمال ہوتے ہیں۔ اس سے بڑی فضیلت کسی کیلئے کوئی نہیں ہوسکتی کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کیلئے یہ الفاظ استعمال فرمائیں۔

یہ دونوں باپ بیٹا دو اہم مسائل میں اس امت کے امام ہیں۔ ایک یہ کہ صحیح اسلامی حکومت قائم ہو اور اس کے خلاف بغاوت ہو جائے تو اس کا کیا حل ہے؟ اس بارے میں سیدنا علی علیہ السلام اس امت کے قدوہ (رہنما) ہیں۔

سورہ حجرات: 49/9-10 کی تفسیر میں فقہ میں کتاب البغاۃ اور احادیث پڑھو تو معلوم ہوگا کہ علی علیہ السلام اس بارے میں قدوہ ہیں۔ دوسرے یہ کہ حکومت اگر صحیح راستے سے ہٹ جائے اور بگڑ جائے تو اس وقت لوگوں کو کیا کرنا چاہیے تو اس بارے میں حضرت امام حسین علیہ السلام امت کے رہنما ہیں۔ ان کے سوا کوئی اور مثال امت میں نہیں ہے۔ یہ دونوں پہلو دین کا حصہ ہیں اور اس بارے میں جتنی بحثیں کتابوں میں ہوئیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ ان دونوں باپ بیٹوں کی مثال ہی رہنما ہے۔ یہ دنوں اس بارے میں امت کے پیشوا ہیں۔

(ھدایہ باب البغاۃ، ص:337) معالم السنن، ج:2، ص:164، المغنی ابن قدامہ، ج:8، ص:؟؟، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج:9، ص:504، فتاویٰ ھندیہ، ج:4، ص:438، کتاب قتال اھل البغی ابی الحسن ماوردی، ص:66)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

''مشرکین سے قتال حضور ﷺ نے فرمایا، مرتدین سے ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اور باغیوں سے علی علیہ السلام نے قتال فرمایا۔''

حق علی علیہ السلام کے ساتھ تھا

سورہ حجرات: 9/49 کی تفسیر میں قاضی ابو بکر ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر احکام القرآن ج:4، ص: 1705 تا 1708 پر لکھتے ہیں:

''دین سے بھی ثابت ہو گیا اور سب علماء اسلام بھی متفق ہو گئے کہ خلیفہ برحق اور امام حضرت علی علیہ السلام تھے اور جو جو انکے مقابلے پر آیا باغی تھا۔ ان سب سے لڑنا حضرت علی علیہ السلام کا موقف صحیح تھا۔ اگر وہ قصاص کے درپے ہوتے تو ان لوگوں کے قبیلے اٹھ کھڑے ہوتے اور ایک نئی جنگ شروع ہو جاتی حضرت علی علیہ السلام اس انتظار میں رہے کہ حکومت مضبوط ہو جائے، تمام لوگ بیعت کر لیں، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے وارث عدالت میں آئیں، قاتلوں کی نشاندہی کریں تو حق کے مطابق فیصلہ ہو جائے، اگر امام یہ محسوس کرے تو قصاص کو موخر کر دیا جائے اور اس بارے میں امت میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ قصاص سے فتنہ بہت بڑھ جائے گا۔ اور مسلمانوں کے اندر انتشار پھیلے گا تو امام کو حق ہے کہ وہ ایسا قصاص معاف کر دے۔''

امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''لوگوں نے صلح حسن علیہ السلام سے یہ نتیجہ نکالا کہ درست قول ان کا تھا جو غیر جانبدار رہے اور کہتے تھے کہ حضرت علی علیہ السلام اور پھر معاویہ میں صلح ہونی چاہئے، جنگ نہیں ہوئی چاہیے، اگر چہ وہ سمجھتے تھے کہ علی علیہ السلام حق کے زیادہ قریب ہیں۔ یہ قول سعد بن ابی وقاص، عبداللہ بن عمر اور محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہم اور ان کے ساتھیوں کا ہے، مگر جمہور اہل سنت نے کہا علی علیہ السلام حق پر تھے اور وہ لوگ حق پر تھے جنہوں نے جنگوں میں علی علیہ السلام کا ساتھ دیا کیونکہ وہ خدا

تعالیٰ کے حکم کے مطابق عمل کر رہے تھے کہ باغیوں سے لڑو اور یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ علی علیہ السلام سے قتال کرنے والے باغی تھے۔"

نواب صدیق حسن خاں رحمۃ اللہ کے بیٹے سید نور الحسن خاں رحمۃ اللہ اپنی کتاب "عرف الجادی، ص: 197-198 در بیان قتال اہل البغی" میں لکھتے ہیں:

"بلاشبہ ہر موقع پر حق حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ تھا۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ وزبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی علیہ السلام کی بیعت کی تھی اور بعد میں بیعت توڑ دی، پھر ناچار ان لوگوں سے لڑنا واجب ہو گیا۔ خارجیوں سے جنگ میں حضرت علی علیہ السلام حق پر تھے کیونکہ متواتر حدیث ہے کہ وہ لوگ دین سے اسی طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار میں سے نکل جاتا ہے۔ اسی طرح جنگ صفین والے ہیں کہ ان کا باغی ہونا بالکل واضح ہے کیونکہ قتل عمار رضی اللہ عنہ والی حدیث اس کی دلیل ہے۔ معاویہ حضرت علی علیہ السلام سے جنگ لڑنے کا ذرہ برابر حق نہ رکھتے تھے مگر وہ (امیر معاویہ) دنیا کے لالچی، حکومت کے بھوکے اور دنیا کی سرداری کیلئے لڑے اور ان کو وہ پیروکار ملے جو معروف ومنکر کی شناخت سے عاری تھے یعنی شامی اور معاویہ نے ان لوگوں سے چالاکی کی کہ بظاہر قصاص عثمان رضی اللہ عنہ کا ڈھونگ رچا لیا۔ اس طرح معاویہ کا کام چل پڑا اور ان (شامی) لوگوں نے معاویہ کے کہنے پر جان و مال کی قربانی دی اور ان کی خیر خواہی کی۔ ان لوگوں کو معاویہ نے ایسا رام کر لیا کہ حضرت علی علیہ السلام نے اہل عراق سے کہا میں تم جیسے دس دے کر معاویہ کے حامیوں جیسا ایک لے لوں تو بہتر ہے۔ مجھے اہل شام پر ذرہ حیرانی نہیں۔ بلکہ حیرانی تو ان صحابہ وتابعین پر ہے جو معاویہ سے مل گئے۔ کاش مجھے کوئی سمجھائے کہ ان کو کیا مغالطہ ہوا ہے کہ انہوں نے برے اور جھوٹے لوگوں کا ساتھ دیا اور حق والے کی مدد نہ کی حالانکہ ان کے کانوں میں قرآن کی آیت پڑ چکی تھی

کہ باغی سے لڑو اور متواتر حدیثیں ہیں کہ حاکم وقت اسلام پر چلے تو اس سے بغاوت نہ کرو اور آنحضرت ﷺ کا قول ان کے کانوں میں پڑ چکا تھا کہ عمار رضی اللہ عنہ کو باغی ٹولہ قتل کرے گا۔'' خدا کی قسم! اگر ان کے صحابی ہونے کا لحاظ نہ ہو اور وہ دور خیر القرون میں سے تھا تو صاف نظر آتا ہے کہ اس امت کا پہلا گروہ بھی دنیا کے مال اور لالچ میں مبتلا ہو گیا تھا۔ جنگ میں قرآن کھڑا کرنا سنتِ مطہرہ میں نہیں آیا نہ سنتِ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم میں بلکہ اس بدعت کا پہلا کرنے والا معاویہ تھا۔ پھر عمرو بن عاص کی چالاکی کو حدیث و تاریخ کی کتابیں پڑھنے والا جانتا ہی ہے۔''

حکمران بننے کے بعد جب امیر معاویہ مدینہ آئے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیٹی فاطمہ نے ان سے قصاص عثمان کا مطالبہ کیا۔ امیر معاویہ نے کہا بڑی مشکل سے ہماری حکومت مستحکم ہوئی ہے تو اب قصاص عثمان کی بات چھیڑ کر میں اس کو غیر مستحکم کر دوں؟

(ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج:8، ص:144)

سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ علی رضی اللہ عنہ میں کوئی کمی نہ تھی کہ خلافت کے لیے نا اہل ہوتے اور معاویہ میں کوئی خوبی نہ تھی کہ خلافت کے اہل ہوتے۔

(ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج:8، ص:141)

تمام اہل سنت اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام حق پر تھے۔

(سبل السلام محمد بن اسماعیل یمانی ج:3، ص:259، السراج الوهاج نواب سيد صديق حسن خان رحمۃ اللہ علیہ ج:2، ص:716-717، شهر ستانی الملل والنحل ج:1، ص:103، عبدالقاهر الفرق بين الفرق، ص:342، نواب صديق حسن خان الروضة الندیه، ج:2، ص:360-361، سعودی عالم احمد حکمی، معارج القبول، ج:2، ص:582-583)

''باغیوں سے جنگ لڑو اور خلیفہ برحق کی مدد کرو یہی مذہب اکابر آئمہ اور محدثین کا ہے۔'' (نیل الاوطار، ج: 5، ص: 347-348، امام شوکانی، فتح

الباری، ج:13، ص:31، امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ)

''جس نے حضرت علی علیہ السلام کے خلاف کیا اس کی اجتہادی خطا تھی۔''

(علامه وحيد الزمان ترمذى ابواب الرويا باب ماجاء فى رويا النبى عليه السلام فى الميزان والدلو)

''جو کوئی خلافت کے معاملہ میں حضرت علی علیہ السلام کے خلاف ہوا خطا کار باغی ہے۔'' (شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی تحفہ اثناء عشریہ ص:19)

سو یہی مذہب سنیوں کا ہے کہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ اپنی لڑائیوں میں حق پر تھے اور مخالف ان کے غیر حق پر اور خطا کار............ حق صرف امیر رضی اللہ عنہ کی جانب تھا اور جو ان کے مقابلہ پر تھے کہ معنیٰ قرآن کے نہ سمجھے اور اجتہاد میں غلطی کی۔ (شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تحفہ اثناء عشریہ ص:447)

سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد سید احمد رضا بجنوری رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے لیکچر انوار الباری کے نام سے جمع کئے جو انہوں نے بخاری شریف کی شرح میں دیئے تھے۔ اس میں سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

''حضرت علی علیہ السلام اپنے تمام دور خلافت میں منہاج نبوت پر قائم رہے۔ امیر معاویہ نے دوسرے طریقے استعمال کئے۔ زمانہ اور زمانے کے لوگوں کے حالات تیزی کے ساتھ خرابی کی طرف بڑھ رہے تھے اس لیے خلافت علی منہاج النبوت سے زیادہ کامیابی دنیوی سیاست کیلئے مقدر ہو چکی تھی۔ حضرت علی علیہ السلام آخر عمر تک دین اور دینی سیاست کو کامیاب بنانے کی جان توڑ مساعی میں مشغول رہے۔ ان پر ہر اگلا دور پچھلے دور سے زیادہ سخت اور صبر آزما آیا۔ مگر وہ کوہ استقامت بنے ہوئے مصائب و آلام کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے رہے۔'' (انوار الباری ج:2، ص:39)

نواب سید صدیق حسن خاں رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''اکلیل الکرام'' میں امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ

کی کتاب وبل الغمام علی شفاء الاوام سے ایک اقتباس نقل کیا ہے جس میں امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''بلا شک وشبہ تمام لڑائیوں میں حق علی علیہ السلام کے ساتھ تھا۔''

(اکلیل الکرام فی بیان مقاصد الامامة ص:12)

علامہ عبدالحیٔ بن عماد حنبلی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''علماء کا اجماع ہے کہ علی علیہ السلام اپنی تمام جنگوں میں حق پر تھے۔ بعض علماء کا مذہب ہے کہ ہر جابر حکمران کے خلاف خروج (بغاوت) کیا جا سکتا ہے۔''

(شذرات الذهب ،ص:68)

جنگِ جمل

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے دلائل میں سے اہم شعبہ سچی پیش گوئیاں ہیں۔ آئندہ ہونے والے واقعات کی خبر لسان نبوی سے مدتوں پہلے بیان ہو چکی تھی۔ ان سچی پیش گوئیوں سے یقین حاصل ہوتا ہے کہ بتانے والا بھی سچا ہے اور جوان کو بتا رہا ہے یعنی خدا تعالیٰ وہ بھی سچا ہے۔ زمین آسمان ٹل سکتے ہیں مگر سچے نبی کی پیش گوئی نہیں ٹل سکتی۔

حضرت علی علیہ السلام نے اپنے دورِ خلافت میں تین جنگیں لڑیں۔ ان تینوں کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیش گوئیاں موجود ہیں اور وہ دلیل ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام ہر جنگ میں حق پر تھے۔ علامہ ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ علیہ نے سلسلة الاحاديث الصحيحه ج:1، ص:767 تا 770 پر حدیث:474 لکھی ہے جس کا نام حدیث الحوأب ہے۔ حوأب مکہ کے باہر چشمہ ہے۔

امہات المومنین حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے کون ہے جس پر حوأب کے کتے بھونکیں گے۔''

جب جنگ جمل کیلئے بصرہ کو جاتے ہوئے عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے لشکر کے ہمراہ رات کے وقت چشمہ حوأب پر پہنچیں تو وہاں کے کتے بھونکے۔ آپ نے پوچھا یہ کون سی جگہ ہے؟

لوگوں نے کہا یہ حوأب کا چشمہ ہے۔آپ نے کہا میں آگے نہیں جاؤں گی میں واپس جا رہی ہوں۔مگران کے بہنوئی زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا آپ کے بصرہ جانے سے شاید صلح ہو جائے۔

علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اس کی اسناد مضبوط ہیں، کچھ لوگ کہتے ہیں، ہم کیسے مانیں کہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے غلطی ہو گئی، اس کا جواب دیتے ہوئے البانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایسا معلوم ہوتا ہے یہ لوگ شیعوں کی صف میں داخل ہو گئے ہیں۔وہ تو صرف بارہ اماموں کو معصوم مانتے تھے اور تم سنی لوگ ہر اس شخص کو معصوم مانتے ہو، جس نے حضور علیہ السلام کو دیکھا۔

کوئی شک نہیں ام المومنین رضی اللہ عنہا کا گھر سے نکلنا غلط تھا۔اسی طرح جب واپس ہونے لگیں تو روکنے کا زبیر رضی اللہ عنہ کا مشورہ غلط تھا۔یہ مانے بغیر تو چارہ ہی نہیں کہ دونوں فریقوں میں سے ایک غلط ہے۔دونوں طرف سے بے شمار لوگ قتل ہوئے۔کوئی شک نہیں صرف عائشہ رضی اللہ عنہا غلطی پر تھیں اور اس کے بہت واضح دلائل ہیں۔سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ وہ اپنی اس غلطی پر عمر بھر پچھتاتی رہیں ان کے درجہ اور شان کے لائق یہی ہے کہ وہ غلطی مان گئیں۔ان کی اس ندامت سے پتہ چلا کہ ان کی غلطی معاف ہو چکی بلکہ معاف ہی نہیں اس پر ان کو اجر ملے گا کیونکہ انہوں نے اپنی غلطی مان لی۔"

امام ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ "الاستیعاب" میں لکھتے ہیں:

"ایک دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے کہا جب میں نے بصرہ جانے کا ارادہ کیا تھا تو تم نے مجھے روکا کیوں نہیں تھا۔انہوں نے کہا آپ پر آپ کے بھانجے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ غالب آ چکے تھے۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا عبداللہ! اگر آپ مجھے روک دیتے تو میں رک جاتی۔جب ان کی موت کا وقت آیا تو انہوں نے کہا مجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس دفن ہونے کی آرزو تھی مگران کے بعد مجھ سے یہ کام ہو گیا۔مجھے باقی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے پاس دفن کر دینا۔لہٰذا انہیں البقیع میں دفن کر دیا گیا۔"

(سلسلة احادیث صحیحه ج:1 ص:776،، مقدمه ابن خلدون ،ص:214)

علامہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''وہ کام یہی جنگ جمل کا اقدام تھا، وہ اس پر نادم ہوئیں اور اس پر توبہ کی۔
ایک بات ذہن میں رہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دنیا و آخرت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیوی میں یہ شیعہ سنی کا متفق علیہ مسئلہ ہے اور یہ کہ مومنہ ہیں۔کافرہ نہیں ہیں جیسا کہ بعض برخود غلط لوگ کہتے ہیں۔''

ایک حدیث ہے کہ دنیا میں میری بیویاں آخرت میں بھی میری بیویاں ہیں۔اس حدیث کی شرح میں مجدد مذہب شیعہ ملا باقر مجلسی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

''جنت کافروں پر حرام ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے بلند ہیں کہ وہ کسی کافرہ کے رحم میں اپنا نطفہ ڈالیں، اور اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی مائیں کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویوں کو عزت دی اور کافرہ تو اس لقب کی اہل نہیں کیوں کہ یہ مقام بہت بلند ہے اور یہ کہ خدا تعالیٰ کا فرمان ہے بے شک مشرک ناپاک ہیں اور اس قول کی وجہ سے کہ قیامت کے دن حسب ونسب سب ختم ہو جائیں گے سوائے میرے نسب وسبب کے اور یہ کافروں کے حق میں تو صحیح نہیں۔''
(بحارالانوار ج:16،ص:389)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس اقدام پر اظہار ندامت کرتی رہیں اور یہاں تک رویا کرتیں کہ دوپٹہ تر ہو جاتا۔

(ابو البرکات عبداللہ بن احمد بن محمد النسفی فی کتاب الاعتماد فی الاعتقاد اور شرح فقه اکبر ملا علی قاری بحواله ارجح المطالب ، ص:580، عبیداللہ امرتسری)

جنگ جمل میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ وطلحہ رضی اللہ عنہ بھی شریک تھے یہ دونوں عشرہ مبشرہ میں شامل تھے۔جب جنگ کیلئے صفیں بن گئیں تو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو پکار کر کہا تم ہمارے پھوپھی زاد ہو کر علی علیہ السلام سے جنگ کرنے آ گئے ہو؟

حضرت علی علیہ السلام نے صفوں کے درمیان آ کر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو کہا تمہیں یاد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا زبیر رضی اللہ عنہ تم ایک دن علی علیہ السلام سے لڑو گے اور ظالم ہو گے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اسی وقت گھوڑے کو ایڑ لگائی اور واپس چلے گئے۔

(سلسلة الاحاديث الصحيحه البانی، ج:6، حدیث:2659، مستدرک حاکم، ج:6، ص:366، سیر اعلام النبلاء ذہبی ج:2، ص:199)

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ایک وادی میں نماز پڑھ رہے تھے کہ حضرت علی علیہ السلام کے لشکر سے ایک بد بخت عمرو بن جرموز نے سجدہ کی حالت میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا سر کاٹ لیا اور علی رضی اللہ عنہ کو لا کر دیا تو آپ نے فرمایا صفیہ رضی اللہ عنہا کے بیٹے کا قاتل دوزخی ہے۔ (البدایہ والنہایہ، ج:7 ص:273,272)

بعد میں عمرو بن جرموز خارجی بن گیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف جنگ میں شریک ہوا۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو مروان نے زہر آلود تیر مار کر شہید کر دیا۔

(امام ابن حجر رحمہ اللہ تهذيب التهذيب ج:5، ص:20تا22، مستدرك حاكم ج:3، ص:370)

جنگ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا لشکر شکست کھا گیا۔ مگر حضرت علی علیہ السلام نے ان کو پورے احترام سے مدینہ روانہ کر دیا۔ ان کے لشکر کا سامان لوٹنے کی اجازت نہ دی اور نہ ہاری ہوئی فوج کا تعاقب کیا نہ ان کو لونڈی غلام بنایا اور دونوں طرف کے مقتولین کی نماز جنازہ ادا کی۔

امام ابوحنیفہ و احمد بن حنبل و شافعی و نخعی رحمۃ اللہ علیہم سب فرماتے ہیں کہ مسلمان باغیوں سے کیا معاملہ کیا جائے، اس بارے میں امت کے رہنما صرف حضرت علی علیہ السلام ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا لشکر جب بصرہ پہنچا تو حضرت علی علیہ السلام کے گورنر عثمان

بن حنیف رضی اللہ عنہ کی داڑھی نوچ لی گئی۔ بیت المال لوٹ لیا۔

(طبری ج:3،ص:485)البدایہ والنہایہ،ج:7ص:254)

امام اشعری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

''صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ جنگ جمل میں علی علیہ السلام حق پر تھے۔''

(الخطط و الآثار احمد بن علی المقریزی ، ج:2،ص:360، بحوالہ حادثہ کربلا کا پس منظر ص 226-227)

نواب سید صدیق حسن خاں رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ جنگ جمل دن چڑھے شروع ہوئی تھی اور عصر کے وقت تک جاری رہی، اس دن تک جمادی الاخری کی دس راتیں گزر چکی تھیں اور یوم خمیس تھا، یہ جنگ نبوت کی نشانیوں میں سے ایک نشان ہے کہ واقعہ سے 35 سال پہلے اس کی پیش گوئی فرمادی، اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کا گروہ عدل والا تھا اور دوسرے باغی تھے اور یہ بات صاف معلوم ہے کہ اس وقت علی علیہ السلام امام تھے اور وہی برحق تھے۔

(الاذاعه لماکان وما یکون بین یدی الساعة ص88-89)

جنگِ صفین

جنگ جمل کے برعکس، جنگ صفین کے دونوں فریق ایک درجہ کے نہیں تھے۔ اس جنگ میں ایک فریق کا دینی مرتبہ بہت اعلیٰ ہے اور دوسرا فریق یعنی امیر معاویہ دینی لحاظ سے ان کے پائے کے نہیں تھے۔ شاہ عبدالعزیز دہلوی لکھتے ہیں کہ شیعہ اولی (مراد مہاجرین وانصار سے ہے) کی اکثریت ہمراہ رکاب جناب امیر رضی اللہ عنہ کے باغیوں کی لڑائیوں میں موجود اور بنا برمعانی قرآن کے لڑتے رہے ہیں جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت میں نزول قرآن پر منکرین سے لڑتے رہے۔'' (تحفہ اثناعشریہ،ص:11)

آگے لکھتے ہیں کہ حاضران بیعت رضوان میں سے ایک جماعت کثیر نے قریب آٹھ سو کے لڑائی صفین میں کیسی داد جاں نثاری کی دی اور تین سو آدمی درجہ شہادت کو پہنچے۔" (تحفہ اثناء عشریہ، ص:11)

حضرت سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اکثر صحابہ کرام حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ تھے اور میرے علم میں انصار تو سب ہی اور مہاجرین میں سے زیادہ علی علیہ السلام کے ساتھ تھے۔"

(انوار الباری، ج:2ص:30، مولفہ سید احمد رضا بجنوری رحمۃ اللہ علیہ)

مولانا محمد زکریا موطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی شرح اوجز المسالک میں فرماتے ہیں:

"حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ نوے بدری صحابی، سات سو اہل بیعت رضوان تمام مہاجرین اور انصار چار سو کی تعداد میں جنگ صفین میں شریک تھے۔"

(اوجز المسالک ج:5،ص:434)

آپ نے دیکھ لیا کہ ایک پلڑے میں سب کچھ ہے اور دوسرے میں کچھ بھی نہیں۔ امیر معاویہ کا پلڑا حضرت علی علیہ السلام کے برابر کرنے کے لئے کہا جارہا ہے کہ وہ کاتب وحی تھے۔ فلاں تھے، جبکہ اصل صورت حال یہ ہے کہ علمائے محدثین کا یہ فیصلہ ہے کہ ان کی فضیلت میں کوئی حدیث ثابت نہیں۔ وہ فتح مکہ والے دن مسلمان ہو کر طلقاء میں شامل ہو گئے اور بس!

ایک اور بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ بنوامیہ سات پشتوں سے بنو ہاشم کے مدمقابل تھے اور دشمنی دیرینہ تھی۔

1۔ جناب ہاشم کے مقابل عبد شمس

2۔ ایضاً امیہ بن عبد شمس

3۔ جناب عبدالمطلب کے مقابل حرب بن امیہ

4۔ جناب ابوطالب کے مقابل صخر بن حرب (ابوسفیان)

5۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مقابل　　　　ایضاً

6۔ علی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مقابل　　　　معاویہ بن ابی سفیان

7۔ حسن علیہ السلام کے مقابل　　　　ایضاً

8۔ حسین علیہ السلام کے مقابل　　　　یزید بن معاویہ بن ابوسفیان

امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری ج:7،ص:104 پر لکھتے ہیں:

''امیر معاویہ کا پلڑا حضرت علی علیہ السلام کے برابر کرنے کے لئے جو کوشش ہوئی اس میں ابن ابی عاصم، ثعلب کے غلام ابوعمر اور ابوبکر نقاش نے رسالے لکھے مگر ان میں جعلی روایات درج ہیں۔ امام بخاری کے استاد اسحٰق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امیر معاویہ کی فضیلت میں کوئی شے ثابت نہیں۔ امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا آپ حضرت علی علیہ السلام اور امیر معاویہ کے معاملہ میں کیا کہتے ہیں۔ امام احمد نے دیر تک سر جھکائے رکھا پھر فرمایا خوب جان لو! علی علیہ السلام کے دشمن بے شمار تھے۔ ان دشمنوں نے بہت باریک بینی کی تاکہ علی علیہ السلام کا کوئی عیب تلاش کر سکیں، مگر نہ کر سکے۔ وہ دشمن اس کوشش میں ناکام ہونے کے بعد اس آدمی کی حمایت میں شروع ہو گئے جس نے علی علیہ السلام سے جنگیں لڑی تھیں یعنی امیر معاویہ جن کی پھر چالبازی سے اس کو علی علیہ السلام کے برابر کرنے کیلئے اس کی شان میں روایات گھڑیں جن کی کوئی اصل نہیں۔ امیر معاویہ کی شان میں روایات تو بہت مل جائیں گی مگر ان کی سند دیکھی گئی تو کوئی بھی صحیح نہیں نکلی۔''

یہ واقعہ اہل حدیث علماء کی شروح حدیث بنام عون المعبود اور تحفۃ الاحوذی میں بھی درج ہے۔ یہ دونوں شروح عرب علماء تک کو مسلّم ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام اور ان سے جنگیں لڑنے والوں کا معاملہ ذرا بھی مشتبہ یا نزاعی نہیں